AL-'ULŪM ISSN: 2709-3484 (Print) | 2709-3492 (Online)
https://alulum.net/ojs/index.php/aujis/about
(January-June) 2026, 7:1(36-72)

رسولِ اکرم ﷺ کی عسکری ودفاعی حکمتِ عملی اوراس کی عصری معنویت
(غزوۂ بدر کے تناظر میں تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ)

امان اللہ، شعبہ علوم اسلامیہ، مکران یونی ورسٹی، پنجگور، بلوچستان

حافظ محمد ثانی، رئیس کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، وفاقی اردو یونی ورسٹی، کراچی

The Military and Defensive Strategy of the Holy Prophet (peace be on him) and its Contemporary Relevance: A Research and Analytical Study in the Context of *Gazwah Badr*

1. **Amanullah (PhD)** Department of Islamic Studies, University of Makran, Panjgur, Baluchistan
2. **Hafiz Muhammad Sani (PhD)**[1] Dean Faculty of Arabic and Islamic Studies, Federal Urdu University, Karachi

Keywords:
Sirah, military strategy, contemporary era,Battle of Badr, Planning

Abstract: This research examines the military and defensive strategy of the Holy Prophet Muhammad (peace be on him) with specific reference to the Battle of Badr and critically assesses its contemporary relevance. Drawing upon historical, strategic, and ethical scholarship, the study situates Badr as a paradigmatic engagement that transcends its immediate historical milieu to offer enduring insights into defence, leadership, and ethical conduct in conflict. The Battle of Badr represents a seminal moment in early Islamic military history, distinguished not merely by its tactical outcome but by the strategic framework within which the Prophet (peace be on him) operated. As documented in academic analyses, the Prophet's strategy at Badr combined meticulous planning, strategic positioning, and an acute awareness of intelligence and terrain, enabling a numerically inferior Muslim force to counteract the Quraysh's superior numbers. The research also engages with the contemporary relevance of Prophetic military strategy. In an era characterized by asymmetric conflict and complex ethical challenges, the Prophet's integrated model—combining effective defence, disciplined restraint, and moral legitimacy—offers paradigmatic insights. This has implications for modern military doctrine, conflict resolution frameworks, and ethical leadership in defence policy. By emphasizing justice, prudence, and strategic adaptability, the Prophetic model contributes to ongoing scholarly dialogues on the ethics of defence and the constructive role of leadership in armed conflict.

How to Cite

(PhD), A., & Sani (PhD), M. . (2026). رسولِ اکرمﷺکی عسکری ودفاعی حکمتِ عملی اوراس کی عصری معنویت (غزوۂ بدرکے تناظرمیں تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ: The Military and Defensive Strategy of the Holy Prophet (peace be on him) and its Contemporary Relevance: A Research and Analytical Study in the Context of Gazwah Badr. *Al-'Ulūm Journal of Islamic Studies*, *7*(1), 36–72. Retrieved from https://alulum.net/ojs/index.php/aujis/article/view/213

1. Corresponding author Email: dr.amanullah@uomp.edu.pk

تعارف

غزوۂ بدر (۱۲ تا ۱۷ ارمضان سن ۲ھ / ۸ تا ۱۳ امارچ ۶۲۴ء) اسلامی تاریخ کا وہ عظیم اور تاریخ ساز معرکہ ہے، جب بدر کے میدانِ کارزار میں کفر و اسلام اور حق و باطل کی پہلی معرکہ آرائی ہوئی، اس تاریخی معرکے میں فرزندانِ اسلام کی تعداد کفّار کی تعداد سے ایک تہائی تھی۔ وسائلِ جنگ کے اعتبار سے مسلمان بظاہر بہت کم زور تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کا اجتماعی ماحول بھی سراسر ان کے خلاف تھا۔ انتہائی خوش فہمی کے باوجود لشکرِ اسلام کے غلبے اور فتح مند ہونے کی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تھی۔ کفر اپنے پورے کرّوفر کے ساتھ حق کی بے سروسامانی سے نبرد آزما ہونے کے لیے تین گنا فوج لے کر بڑے غرور و رعونت سے میدان میں آیا تھا، لیکن اللہ کی غیبی مدد و نصرت، رسولِ اکرم ﷺ کی دعاؤں، آپؐ کی دفاعی اور جنگی حکمتِ عملی، صحابۂ کرامؓ کی ایمانی فراست، جرأت و شجاعت، بے نظیر استقامت، بہادری اور جذبۂ ایمانی کی بدولت کفّار و مشرکین کو ایسی فیصلہ کن ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس نے ان کی کمر توڑ دی، پھر باطل کو کبھی ہمت نہ ہوئی کہ وہ حق کو للکارے۔

میدانِ بدر کا محل وقوع اور جغرافیائی اہمیت

"بدر" مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں ۱۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے، اس میں کئی کنویں اور باغات تھے، جہاں قافلے عموماً پڑاؤ ڈالتے تھے۔

مشہور جغرافیہ نویس اور معروف مورخ علامہ یاقوت حموی "معجم البلدان" میں لکھتے ہیں:

"بدر" وادی یَلیَل میں واقع ہے، اس کے دونوں سروں پر (شمال مغرب اور جنوب مشرق میں) ریت اُڑ اُڑ کر جمع ہوتی رہتی ہے، حتیٰ کہ خاصے بلند ٹیکرے بن گئے ہیں۔ سورۂ انفال میں مذکور یہی "العُدوۃ الدنیا" قریبی ٹیلہ اور "العُدوۃ القصویٰ" بعید ٹیلے ہیں، (جو، اب تک برقرار ہیں)۔ ان دونوں کے درمیان جنوب مغرب میں ایک خاصا بلند پہاڑ ہے، جسے جبلِ اسغل کہا جاتا ہے۔ جس کی چوٹی سے سمندر (دس میل پر بحیرۂ قلزم) صاف نظر آتا ہے۔ "بدر" مکے اور مدینے کے درمیان ایک مشہور کنواں ہے، جو وادی الصفراء اور الجار کے مابین واقع ہے اور الجار ساحل بحر پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ "بدر بن یخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بدر بن یخلد قبیلہ بنو ضمرہ کا ایک شخص تھا۔([1])

رسولِ اکرم ﷺ کی میدانِ بدر کی جانب روانگی

تاریخی روایات کے مطابق نبی اکرم ﷺ صحابۂ کرامؓ کو لے کر مدینے سے مکے کے قدیم راستے پر چلے اور وادی عقیق "ذوالحلیفہ"، "ذات الجیش"، "تربان"، "ملل"، "غمیس الحمام" اور "السیالۃ" سے ہوتے ہوئے "فجّ الروحاء" پہنچے۔ پھر آپ انے "شنوکۃ" اور "عرق الظبیہ" سے ہوتے ہوئے "سجسج" پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ اس گاؤں کو "الروحاء" بھی کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ابولبابہ بن عبد المنذرؓ کو ابنِ مکتومؓ کی جگہ روانہ کیا اور پھر کوچ کر کے "المنصرف" پہنچے اور مکے کے راستے کو بائیں

1۔ شوقی ابو خلیل، **اٹلس سیرتِ نبوی ﷺ**، ترجمہ: حافظ احمد امین (لاہور: دار السلام، 2004ء)، 216۔

جانب چھوڑ کر "النازیۃ" کے راستے پر چلنے لگے۔ وادی "رحقان" سے گزر کر جب "الصفراء" کے قریب پہنچے تو بنو ساعدہ کے حلیف بسبس بن جہنی اور بنو نجار کے حلیف عدی بن ابی زغباء جہنی کو بدر روانہ کیا، تاکہ وہ آپ ﷺ کو ابوسفیان اور قافلے کی خبریں پہنچائیں۔([2])

مؤرخین اور سیرت نگار حق و باطل کے درمیان اس تاریخ ساز معرکے کو "غزوۂ بدر الکبریٰ" اور "بدر العظمیٰ" کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔([3])

وہ دن جس میں حق اور باطل، ہدایت و گمراہی، اسلام اور کفر کے درمیان فرق آشکار ہوگیا۔ حق غالب رہا اور باطل مغلوب۔ قرآن کریم میں اسے "یوم الفرقان" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔'([4])

محمد بن یوسف الصالحی الشامی صاحب سُبل الهدیٰ والرشاد میں لکھتے ہیں:

ويقال لهاالبدرالعظمىٰ،وبدرالقتال،ويوم الفرقان،لان الله تعالىٰ فرق به بين الحق والباطل،وهى الوقعة العظيمة اللّتى اعزّالله تبارك و تعالىٰ بها الاسلام،ودفع الكفر واهله،وجمعت الآيات الكثيرة والبراهين الشهيرة ([5])

(غزوۂ بدر کو بدرالعظمىٰ،بدرالقتال اور یوم الفرقان بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کو واضح کیا اور یہی وہ عظیم واقعہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بخشی اور کفر اور ملت کفر کو رسوا کیا اور اس حوالے سے متعدد قرآنی آیات اور مشہور دلائل وبراہین کو بیان فرمایا)

قرآن کریم کی "سورۃ الانفال" آیت ۵ تا آیت ۲۰، ۲۶، ۲۷، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۴۸، ۴۹ اور ۵۰ میں خصوصیت کے ساتھ غزوۂ بدر اور اس سے متعلقہ احکام وواقعات کو بیان کیا گیا ہے۔([6])

تجزیہ وپس منظر، اسباب ومحرکات

طلوعِ اسلام اور دعوتِ حق کے نتیجے میں قدرتی طور پر دو گروہ ہوگئے تھے۔ ایک وہ جنہوں نے دعوتِ حق کو قبول کرتے ہوئے دینِ حق کی اشاعت میں حق وصداقت کے مثالی پیکر، پیغمبرِ رحمت ﷺ کی دعوتِ حق پر لبّیک کہتے ہوئے حق و

2- مرجع سابق،214-15؛مزید دیکھیے: محمد فوزی فیض اللہ،**صورٌ وعِبرٌ من الجهاد النبوى ﷺ فى المدينة**(بیروت: دارالشامیۃ،1981ء)،48؛احمد راتب عرموش،**قيادة الرسول ﷺ السياسية والعسكرية**(بیروت: دارالکتب العلمیۃ،1976ء)،43۔

3- محمد بن عبدالباقی زرقانی،**شرح مواهب اللدنيه** (قاہرہ: المطبعۃ الازہریۃ، س ن)، 402:1 ؛ابن کثیر،**السيرة النبوية**(بیروت: دارالمعرفۃ،1976ء)،2:380؛ محمد بن یوسف الصالحی الشامی،**سبل الهدىٰ والرشاد** (قاہرہ: لجنۃ احیاء التراث الاسلامی،1399ء)،4:30۔

4- القرآن، 41:8۔

5- الصالحی الشامی،**سبل الهدىٰ والرشاد**،4:30۔

6- القرآن،8: 50,47,44-41,27,26,20۔

صداقت کے ابدی راستے کو اختیار کیا، جب کہ دوسری طرف کفر و ضلالت اور باطل پرستوں کی پوری جماعت تمام وسائل و اسباب کے ساتھ حق کے خلاف صف آرا تھی۔ دینِ حق کے پیروکار، اہلِ اسلام یہ کہتے تھے کہ انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس راہ کو حق سمجھیں، اختیار کریں، جب کہ کفّار اور مشرکین کی پوری جماعت، باطل کی پوری قوت، مشرکینِ مکّہ اس پر ڈٹے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل نہیں، یعنی وہ مسلمانوں کے اعتقاد و ضمیر کی آزادی کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اُن کی پوری جدوجہد، مخالفت اور کوششوں کا حاصل یہ تھا کہ وہ اہلِ اسلام کو دینِ حق اور دعوت و توحید سے باز رکھیں۔

مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے محفوظ تھا، لیکن رسولِ اکرم ﷺ جب اللہ کے دین کی خاطر مکے سے ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے تو آپؐ کی قیام گاہ (مدینۂ منورہ) قریش کے غیض و غضب کا نشانہ بن گئی۔ انصار مدینہؓ نے مسلمانوں کو پناہ دی، اس لیے قریش نے مدینے کی بربادی کا فیصلہ کر لیا، حَرم کی تولّیت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتے تھے۔ اس طرح مکے سے مدینے تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے، سب قریش کے زیرِ اثر تھے۔ اِس بناء پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کے خلاف بھڑکایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہو گیا، تو تمہاری آزادی تو آزادی، ہستی تک فنا ہو جائے گی، ان کے دل میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف اُن کے آبائی مذہب کو خطرہ لاحق ہو گا، دوسری طرف سارے عرب میں ان کا اثر جاتا رہے گا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدت تک مہاجرینؓ اور انصارؓ رات کو سوتے تو ہتھیار باندھ کر، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

دوسری جانب قریشِ مکہ نے عبداللہ بن اُبی کو پیغام بھیج دیا تھا کہ "محمدؐ کو وہاں سے نکال دو، ورنہ ہم خود مدینے آ کر تمہارا اور محمد ﷺ دونوں کا فیصلہ کر دیں گے۔"

عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) خود بھی اندیشہ محسوس کر رہا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی کا مطلب اپنے اثر و اقتدار کو کھو دینا ہے، اس لیے اندر اندر وہ بھی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ تھا۔ مدینے کے ارد گرد کے یہودیوں پر تو کسی طرح بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا، غرض یہ کہ جس طرح مدینۂ طیّبہ کو بیرونی خطرات کا اندیشہ لاحق تھا، ویسے ہی وہ اندرونی خطرات سے بھی دوچار تھا۔

ایسے حالات میں ضروری تھا کہ اسلام اور دارالاسلام (ریاستِ مدینہ) کی حفاظت کے لیے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا کام حفاظتِ خود اختیاری کی تدبیر تھا۔ نہ صرف اپنی اور مہاجرینؓ کی بلکہ انصارؓ کی بھی۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ کی نظر میں ایک کام تو یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ دوم یہ کہ یمن سے شام کی تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کریں، تاکہ قریش اور دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستے سے وابستہ تھا، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی معاندانہ (Enemical) اور مُزاحمتانہ (Belligerent) پالیسی پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں (جیسا کہ حج کے موقع پر ایک دفعہ ابوجہل کی دھمکی پر حضرت سعد بن معاذؓ انصاری نے کہا کہ اگر وہ مسلمانوں کو

حج سے روکتے ہیں تو پھر ہم بھی ان کی شامی تجارت کو روک دیں گے) اس مسئلے کے حل کے لیے آنحضرت ﷺ نے دو اہم تدابیر اختیار کیں:

(۱) مدینہ اور ساحل بحر احمر کے درمیان اس شاہراہ سے متصل جو قبائل آباد تھے، ان کے ساتھ گفت و شنید شروع کی، تاکہ وہ حلیفانہ اتحاد یا کم از کم ناطرف داری (غیر جانبداری (Neutrality) کا معاہدہ کرلیں۔ سب سے پہلے بنی جہینہ سے جو ساحل کے قریب پہاڑی علاقے میں ایک اہم قبیلہ تھا، معاہدہ ناطرف داری (غیر جانب داری) طے ہوا۔ پھر ۲ھ کے آخر میں بنی ضمرہ سے جن کا علاقہ ینبوع اور ذوالعُشیرۃ سے متصل تھا، دفاعی معاونت (Defensive Alliance) کی قرارداد طے ہوئی۔ پھر ۲ھ کے وسط میں بنی مُدلج بھی اس سمجھوتے میں شامل ہو گئے، کیوں کہ وہ بنی ضمرہ کے ہمسایہ اور حلیف تھے۔

(۲) قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لیے اس شاہراہ پر پیہم چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کیے۔ ان تاختوں کا اصل مقصد قریش کو ہَوا کا رخ بتانا تھا۔ لہٰذا ان تمام مہموں میں نہ تو کشت و خون ہوا اور نہ کوئی قافلہ لوٹا گیا۔ نہ ان میں حضور اکرم ﷺ نے کسی انصاریؓ کو بھیجا، تمام دستے خالص مکی مہاجرینؓ ہی سے مرتب فرماتے رہے (چند کی قیادت خود آنحضرت ﷺ نے کی) تاکہ دوسرے قبیلوں کے الجھنے سے آگ نہ پھیل جائے۔ یہ دو طریقے اس لیے اختیار کیے گئے کہ مدینے کے قرب و جوار کے قبیلوں سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے۔ ([7])

غزوۂ بدر کے اسباب

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے غزوۂ بدر کے متعدد مذہبی، سیاسی اور معاشی اسباب بیان کیے ہیں۔ جن کا اجمال درجِ ذیل ہے:

۱۔ اسلام کی روز افزوں ترقی اور دین کی اشاعت سے قریشِ مکہ کے بُت پرستانہ باطل نظام کو خطرہ لاحق تھا۔

۲۔ مکے کی تیرہ سالہ زندگی میں کفّارِ قریش مسلمانوں پر بے انتہا مظالم ڈھاتے رہے، بالآخر انہیں سخت اذیت پہنچا کر مکے سے ہجرت پر مجبور کیا۔

۳۔ جو مسلمان ہجرت کر کے مکے سے مدینے جا رہے تھے، ان پر مظالم ڈھائے جاتے اور ان کی جائیدادیں ضبط کی جاتی تھیں۔

4۔ مسلمانوں کے نئے مسکن یعنی حبشہ اور مدینے کے حکمران اور با اثر افراد کو کفّارِ قریش مسلسل یہ ترغیب اور دھمکی دے رہے تھے کہ مکے کے ان تارکین یعنی مسلمانوں کو پناہ نہ دی جائے۔

۵۔ ان ناانصافیوں کے انتقام لینے کے لیے ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمان قریش پر معاشی دباؤ ڈالتے رہے.

7۔ محمد فوزی فیض اللہ، صُوَرٌ وعِبَرٌ من الجہاد النبوی ﷺ فی المدینۃ، 4938 ,؛ احمد راتب عرموش، قیادۃ الرسول ﷺ السیاسیۃ والعسکریۃ، 4140–؛ عبد الباری، رسولِ کریم ﷺ کی جنگی اسکیم، 12.

6۔ قریش کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کو یثرب کے علاقے میں روک دیا جاتا تھا۔ قریشِ مکہ کو اپنے تجارتی قافلے کے لوٹے جانے کا ہر وقت اندیشہ لاحق تھا، جب کہ دور دراز کے راستے اختیار کرنے پر قریش کو نقصان ہو رہا تھا۔ یہ تمام وہ اسباب ہیں جو آخر کار جنگِ بدر کا سبب بنے۔([8])

ہجرتِ مدینہ کے بعد رسول اکرم ﷺ نے "مواخات" کے ذریعے مہاجرین کی آبادکاری، انصارِ مدینہؓ اور مہاجرین میں وسیع تر اخوت و یگانگت اور معاشی و معاشرتی استحکام کے بعد "میثاقِ مدینہ" کے ذریعے مدینۃ النبیؐ میں امن کے قیام، ریاست کے استحکام، داخلہ امور اور دفاع پر خصوصی توجہ دی۔ چناں چہ آغاز ہی میں مدینے کے شمال، پھر جنوب اور پھر مشرقی علاقے میں آباد قبائل سے فوجی اور دفاعی معاہدے کیے، انہیں آپؐ نے حلیف بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ معروف سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول:

> غالباً رسولِ اکرم ﷺ نے ان حلیف قبائل کے سامنے یہ تجویز پیش کی ہو گی کہ تم تنہا ہو۔ تمہارے دشمن موجود ہیں، اگر وہ تم پر حملہ آور ہوں گے تو کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا، ان حالات میں کیا یہ مناسب نہیں کہ تم اور ہم باہم حلیف بن جائیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی تم پر حملہ آور ہو گا، تو ہم تمہاری مدد کو دوڑے آئیں گے اور اگر ہم پر کوئی حملہ کرے اور ہم تمہیں بلائیں تو تم بھی ہماری مدد کو آنا۔([9])

اس قسم کے معاہدوں میں یہ صراحت تھی کہ یہ صرف فوجی معاہدہ ہے، اس کا حتمی معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔([10])

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> اس قسم کے پانچ سات معاہدے تاریخ میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان پر غور کیجیے تو نظر آئے گا کہ ریاستِ مدینہ کو محفوظ کرنے کی تدبیر اس انداز سے کی جارہی ہے کہ مدینے کے اطراف کے علاقوں کو حلیف بنا لیا جائے، تاکہ اگر دشمن (بالخصوص کفارِ قریش) مدینے پر حملہ کرنا چاہیں تو وہ براہِ راست مدینے تک نہ پہنچ سکیں۔ بلکہ مدینے تک پہنچنے سے پہلے ہی درمیان کے علاقوں میں انہیں رکاوٹوں سے سابقہ پڑے، اس صورت میں ہمارے حلیف اور دوست وہاں موجود ہوں گے، وہ اطلاع دے دیں گے۔ گویا ایک "منڈل" حلقہ (Cordon) قائم ہو گیا۔ چناں چہ آغاز ہی سے آپؐ نے دفاعی نقطۂ نظر سے مدینے کے اطراف حلیفوں کی بستیاں قائم کیں اور ان دوستوں کی مدد سے دفاعی جنگی نقطۂ نظر سے مدینے کی حفاظت عمل میں آئی۔([11])

یہ ایک حقیقت ہے کہ مکے میں کفارِ قریش نے اسلام، پیغمبرِ اسلام ﷺ اور صحابہؓ کرامؓ کی عداوت اور مخالفت میں تمام حربے استعمال کیے، رسول اکرم ﷺ کی عداوت اور مخالفت میں جو کچھ ان سے ممکن تھا، انہوں نے کیا، اسلام اور

8۔ سید واجد رضوی، رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں (لاہور: مکتبہ مدنیہ)، 111۔

9۔ محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی ﷺ کے میدانِ جنگ، (راولپنڈی: علمی مرکز، 1988ء)، 25۔

10۔ مرجع سابق، ۲۵۔

11۔ مرجع سابق، ۲۶۔

مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کیے، مظلوم صحابہؓ اور مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، یہاں تک کہ قریش مکہ کے مظالم سے تنگ آکر رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اپنا سب کچھ مکے میں چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

صحابہ کرامؓ مدینے آئے تو کفارِ مکہ نے ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو قانونِ فطرت کے تحت یہ حق حاصل تھا کہ وہ کفارِ مکہ سے جانی ومالی دونوں طرح سے انتقام لیں۔ آغاز میں مسلمانوں کے پاس اتنی فوجی قوت اور وسائلِ حرب نہیں تھے کہ وہ دشمن کو جانی نقصان پہنچائیں، لیکن مسلمانوں نے حضور اکرم ﷺ کے ایماء سے ان پر معاشی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔([12])

دوسری جانب یہ تھا کہ قریشِ مکہ اپنی گزر اوقات کے لیے تجارت کے سوا کوئی اور وسیلہ نہیں رکھتے تھے۔ چناں چہ جنگِ بدر سے قبل تقریباً سات مرتبہ مسلمان فوجیں یہ اطلاع ملنے پر کہ قریش کا تجارتی قافلہ گزر رہا ہے، اسے روکنے کے لیے گئیں، لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ آیا، بلکہ کسی نہ کسی طرح بچ نکلا۔ تاہم کوششیں جاری رہیں، معلومات کے حصول کے وسائل کو ترقی دی جانے لگی۔ حلیفوں کی تعداد بڑھانے پر توجہ دی گئی۔ غرض دفاعی اور جنگی نقطۂ نظر سے جو تدبیریں ممکن تھیں، وہ اختیار کی جاتی رہیں۔ جب قریش نے دیکھ لیا کہ مسلمان ہمیں آسانی سے گزرنے نہیں دیں گے، تو انہوں نے زبردستی گزرنے کی ٹھان لی۔([13])

سیرت نگاروں کے مطابق قریش مکہ کے اس تجارتی قافلے میں اس دور کے پچاس ہزار دینار مالیت کا سامان تجارت موجود تھا، جسے اسلام اور مسلمانوں کی عظمت وشوکت کو روکنے اور مسلمانوں کی قوت وطاقت کے خاتمے کے لیے جنگی مقاصد کے لیے استعمال ہونا تھا۔

تفصیل کچھ یوں ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اور جاں نثارانِ رسولؐ نے مسلسل تیرہ برس تک ہر طرح کے مظالم برداشت کیے، آخر جب مکے میں ان کے لیے زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو وہ مدینے چلے آئے، لیکن قریشِ مکہ نے انہیں یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا، پے در پے حملے شروع کر دیے، اب پیغمبر اسلام ﷺ کے سامنے تین راہیں تھیں:

(۱) جس بات کو آپ ﷺ حق سمجھتے تھے، اس سے دست بردار ہو جائیں۔

(۲) اس پر قائم رہیں، لیکن مسلمانوں کو ہر طرح کی اذیت کا سامنا کرنے دیں۔

(۳) ظلم وتشدّد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں۔

12- مرجع سابق،۷۔۲۔

13- مرجع سابق، صفحہ 28؛ مزید دیکھیے: محمد فوزی فیض اللہ، مصدر سابق، صفحہ،49؛ مزید دیکھیے :موسوعۃ نظرۃ النعیم (عمان: دار الفرقان،1402ھ)،1:287۔

مجلسِ مشاورت اور صحابہ کرامؓ کی بے مثال جرأت و استقامت

آپؐ نے تیسر اراستہ اختیار کیا اور نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ نکلا ہے۔یعنی حق فتح مند ہوا اور باطل ذلّت آمیز شکست سے دوچار۔ میدانِ کارزار کی طرف روانگی کے وقت اثنائے راہ میں حالات کی اچانک اور پُرخطر تبدیلی کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلیٰ فوجی مجلسِ مشاورت منعقد کی، جس میں درپیش صورتِ حال کا تذکرہ فرمایا اور کمانڈروں اور عام فوجیوں سے تبادلہ ٔخیال کیا، اس موقع پر جاں نثارانِ اسلام، صحابہ کرامؓ نے بھرپور جرأت و استقامت اور عزیمت کا اظہار کیا۔(14)

مجلسِ مشاورت اور رسولِ اکرم ﷺ کے ابتدائی جنگی اقدامات

مجلسِ مشاورت انجام پذیر ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دشمن کے مقابلے کے لیے چلنے کی دعوت دی، وہاں سے روانہ ہو کر حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ بدر کے میدان میں پہنچے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر آپؐ کی عسکری اور دفاعی حکمت عملی یہ تھی کہ فوج کے ہر حصے پر آپؐ جو افسر مقرر فرماتے، انہیں یہ بتاتے تھے کہ کفارِ مکہ آگے بڑھیں اور اتنی دُور پہنچ جائیں تو ان پر سنگ باری کی جائے اور جب اس سے قریب آجائیں تو تیر اندازی شروع کی جائے۔ اگر مشرکین یک لخت حملہ کر دیں تو انہیں آگے بڑھنے دینا اور جب یقین ہو جائے کہ تمہارے تیر کارگر ہوں گے تو اس وقت انہیں تیروں کا نشانہ بنانا اور جب وہ اور قریب ہو جائیں تو نیزوں سے کام لینا اور جب وہ تلوار کی زد میں ہوں تو تلوار سے حملہ آور ہونا۔

ان ہدایات سے آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ غیر دانش مندی اور گھبراہٹ میں کوئی اقدام نہ کیا جائے، بلکہ جس وقت جس ہتھیار کے استعمال کرنے کا موقع ہو۔ اس وقت اسی سے کام لیا جائے۔ جوش اور جذبات میں آکر جنگ میں پہل نہ کی جائے۔ حملہ اسی وقت کیا جائے، جب حکم دیا جائے۔(15)

لشکرِ اسلام نے ۸ رمضان المبارک ۲ھ کو درج ذیل ترتیب کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف کوچ کیا:

(۱) پہلے ایک دستہ معلومات کی فراہمی کے لیے بھیجا گیا، تاکہ قریش کے تجارتی کارواں کا پتہ بھی لگایا جائے اور قریش کے عزائم اور ارادوں کے بارے میں سراغ لگایا جائے۔

(۲) لشکر کا بڑا حصہ دو جماعتوں میں ترتیب دیا گیا۔ ایک جماعت مہاجرینؓ کی تھی، ان کے پرچم حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عمیر بن ہاشمؓ کے ہاتھ میں تھے۔ جبکہ دوسری جماعت انصارؓ کی تھی، جن کا پرچم حضرت سعد بن معاذؓ کے ہاتھ میں تھا۔ دونوں حصوں کے یہ پرچم سیاہ رنگ کے تھے۔

(۳) لشکر کے ساتھ (عقب) پر قیس بن ابی صعصعہؓ کو مامور کیا گیا۔

14- موسوعۃ نظرۃ النعیم،1:288؛ محمد ابو فارس، غزوۃ بدر الکبریٰ1402ھ،37۔

15- زرقانی، مصدر سابق،،1:413؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ،3:263؛ احمد راتب عرموش، قیادۃ الرسول ﷺ السیاسیۃ والعسکریۃ،45۔

(4) مسلمانوں کا عام پرچم سفید رنگ کا تھا، جو حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا۔([16])

چنانچہ مسلمانوں کا لشکر اس راستے پر چل پڑا جس راستے سے بدر کی جانب مدینے کے قافلے آتے تھے۔ اس مسافت کا طول تقریباً ایک سو ساٹھ کلو میٹر تھا۔

جنگ کے آغاز سے قبل عسکری اور حفاظتی انتظامات

آغازِ جنگ سے پیشتر مسلمانوں نے جو انتظامات کیے، وہ یہ تھے:

(الف) سالارِ اعظم حضرت محمد ﷺ نے بدر کے میدان میں ایک بلند مقام منتخب فرمایا اور وہاں اپنا خیمہ نصب فرمایا، جس کی حفاظت اور نگہبانی کے لیے کئی پہرے دار بھی منتخب فرمائے۔

(ب) مجاہدین اور جنگ آزما افراد کی صفیں مرتّب فرمائیں اور صحابہ کرامؓ کو جنگ میں جرأت و بہادری، ثابت قدمی اور استقامت کی تلقین فرمائی، جنگ کے شدید ترین حالات میں عزم و حوصلے کی ترغیب فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ رہتے ہوئے مشرکین کا حملہ روکیں اور فرمایا: جب دشمن پیش قدمی کرے تو اسے تیروں سے چھید ڈالو، لیکن از خود اس وقت تک دشمن پر حملہ نہ کرنا، جب تک حکم نہ دیا جائے۔

(ج) اس غزوے میں مسلمانوں کا جنگ کا علامتی نشان "کوڈ ورڈ" لفظ "احد" تھا۔([17])

نامور عرب مصنف اور عسکری امور کے ماہر محمود شیت خطاب لکھتے ہیں:

> مسلمان اس انداز سے میدانِ جنگ میں اترے کہ ان کی قیادت اعلیٰ اور مکمل تھی، پوری فوج کی قیادت اور کمانڈ صرف ایک شخص یعنی رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ غزوۂ بدر میں ایک نیا اسلوبِ جنگ وضع کیا گیا۔ یعنی صف بندی، جس سے عرب اب تک بالکل ناواقف تھے۔([18])

محدثین اور مورخین کا بیان تو یہاں تک ہے کہ بدر میں قیام کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنے ممتاز فوجی افسروں کے ساتھ میدانِ بدر کا معائنہ فرمایا اور جگہ جگہ آپؐ بتاتے گئے کہ دشمن فوج کا فلاں افسر فلاں جگہ ہو سکتا ہے اور اس کے مرکز گرنے کی فلاں جگہ ہے، سپہ سالار اعظم ﷺ کا انتہائی اطمینان اور ایقان ایسے پُرخطر حالات میں ماتحت فوجی افسروں اور ان کے ذریعے پوری اسلامی فوج میں جو خود اعتمادی اور جوش و ولولہ پیدا کر سکتا ہے، ساتھ ہی دشمن کی حربی صلاحیتوں کا پیش اندازہ کتنا ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے، اس کے نتائج بعد ازاں ظہور پذیر ہوئے۔ قرآنِ کریم میں غزوۂ بدر کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿واضربوا منهم كلّ بنان﴾

16- محمود شیت خطاب، الرسول القائد ﷺ، مترجم: رئیس احمد جعفری ندوی (کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز)، 126۔

17- مرجع سابق، 139؛ احمد راتب عرموش، قیادۃ الرسول ﷺ السیاسیۃ والعسکریۃ، 48۔

18- مرجع سابق، 139؛ محمد فوزی فیض اللہ، صُوَرٌ وعِبَرٌ من الجهاد النبوی ﷺ فی المدینۃ، 59۔

(ان کی انگلیوں کے جوڑوں پر مارو)

ظاہر ہے کہ دشمن کو جنگ کے لیے ناکارہ کر دینے اور ساتھ ہی خوں ریزی کو حتی الامکان کم سے کم کرنے کی اس سے بہتر ہدایت کسی دست بدست جنگ کے لیے نہیں دی جا سکتی۔ ([19])

دوسری طرف غزوۂ بدر میں عورتوں کے سپرد صرف بعد از جنگ مرہم پٹی کی ذمے داری ہی نہ تھی، بلکہ جنگ کے دوران جن تیر اندازوں کے تیر گر جائیں، انہیں اٹھا کر تیر اندازوں کو پہنچانے اور جنگ کرنے والے پیاسوں کو پانی پلانے کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی۔ مجاہدین کو یہ ہدایت تھی کہ وہ دشمن کی عورتوں کو قتل نہ کریں۔ ([20])

حضور اکرم ﷺ نے جہاد فی سبیل اللہ کو مسلمانوں کا سب سے بڑا اشرف بتایا اور سب سے بڑی عبادت قرار دی۔ یہ خطبہ مجاہدینِ بدر کے مورال کو بلند کرنے، ان کی جرأت و شجاعت، دین پر استقامت اور اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا سبب بنا۔

غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم ﷺ کی عسکری اور دفاعی حکمتِ عملی

کوئی فوج کیسی ہی منظم، طاقتور اور بہادر ہو لیکن اگر اس کی قیادت اعلیٰ نہیں ہے تو اس سے خاطر خواہ نتائج کی توقع نہیں ہو سکتی، غزوۂ بدر میں اسلامی فوج کی عظیم الشان فتح کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس کی قیادت براہِ راست آنحضرت ﷺ نے کی تھی اور ایسے اعلیٰ پیمانہ پر کی تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے قائدینِ جنگ عش عش کر اٹھے، یوں تو یہ سب حضرات آپ کے دامانِ تعلیم و تربیت کے پروردہ تھے ہی غزوۂ بدر کے موقع پر آپ نے ان کی جو قیادت فرمائی اس کے نمایاں خد و خال یہ چیزیں ہیں:

- جنگ کے لیے بہترین جگہ کا انتخاب فرمایا جہاں سے دشمن پر پانی کی سپلائی کو روکا جا سکتا تھا۔
- لشکر قریش میں روزانہ کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں؟ اس سے آپ نے لشکر کی تعداد کا صحیح اندازہ لگایا۔
- لشکر میں کون کون سے قریش کے جیالے ہیں اور ان کے پاس کیا کیا ساز و سامان ہے؟ ایک جاسوس کے ذریعے آپ نے اس کا پتہ چلا لیا۔
- اپنی بصیرتِ خداداد سے میدان جنگ میں گھوم پھر کر آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ سرداران قریش میں سے کون کہاں مارا جائے گا۔
- مزید بر آں آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ لشکر قریش میں کون کیسا ہے چنانچہ بعض لوگوں کے متعین طور پر نام لے کر آپ نے ہدایت فرمائی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے کیوں کہ وہ بادل نخواستہ لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں۔

19۔ عبد الباری، رسولِ کریم ﷺ کی جنگی اسکیم (لاہور: الفیصل ناشران)، 38۔

20۔ مرجع سابق، ۷۹۔

- جب جنگ شروع ہونے کا وقت آیا تو آپ نے ایک نہایت پرزور اور ولولہ انگیز خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس سے لشکرِ اسلامی کا حوصلہ بڑھا اور ان میں غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا۔
- اس کے بعد خود گھوم پھر کر صفوں کی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ترتیب کی اور پورے لشکر کو میمنہ، میسرہ وغیرہ حصوں میں تقسیم کیا جنگ کا نعرہ "احد، احد" متعین فرمایا۔ منازلت کے لیے جوڑ مقرر فرمائے، زخمیوں کے لیے طبی امداد کا انتظام کیا، مدینہ سے ربط قائم رکھنے کا بندوبست اور لشکر کے لیے سامان کے پہنچنے کا اہتمام کیا گیا۔([21])

علاوہ ازیں آپ نے لشکر کو مندرجہ ذیل ہدایات دیں:

(الف) جب تک دشمن جنگ میں پہل نہ کرے تم نہ کرنا۔

(ب) دشمن فاصلے پر ہو تو خواہ مخواہ تیر اندازی کر کے ترکش خالی نہ کرنا۔

(ج) دشمن پیش قدمی کرے تو فاصلے کی مناسبت سے حسب ضرورت و مصلحت پہلے تیر، پھر نیزے اور اس کے بعد تلواروں سے کام لینا۔

کسی ماہر جنگ سے پوچھیے کہ فنی طور پر ان ہدایات کی کیا اہمیت ہے۔

جب جنگ شروع ہو گئی تو آپ اپنی قیام گاہ عریشہ سے اس کی برابر نگرانی فرماتے رہے اور اگر کوئی ضرورت ہوئی تو فوراً آپ میدان میں پہنچ گئے اور صورت حاصل کی اصلاح کر دی۔([22])

رسولِ اکرم ﷺ کی دفاعی اور جنگی حکمت عملی میں عسکری اور دفاعی حوالے سے ایک اہم پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ جب کبھی آپ ﷺ کسی مقام پر حملہ آور ہوتے اور علی الصبح عین طلوع آفتاب کے وقت جنگ کا آغاز ہوتا تو آپ ﷺ ہمیشہ اس کا لحاظ رکھتے کہ آفتاب آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ دشمن تمازتِ آفتاب سے متاثر ہو اور آفتاب پیچھے ہو۔ تاکہ عین جنگ کے وقت سورج کی روشنی سے چندھیا کر دشمن سے مقابلہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔([23])

ایک دوسری چیز یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو موسمیات (Meteorology) سے بھی دلچسپی تھی۔ جنگ کے موقع پر آپ ﷺ ہواؤں کے رخ کا خاص لحاظ فرماتے تھے کہ دشمن سے جنگ ہو تو ایسے مقام پر کہ ہَوا ہمارے پیچھے چل رہی ہو نہ کہ وہ ہمارے سامنے سے آئے۔ اور ہماری رفتار میں رکاوٹ پیدا کرے۔([24])

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

21۔ سعید احمد اکبر آبادی، عہدِ نبوی ﷺ کے غزوات و سرایا اور ان کے مآخذ پر ایک نظر، (کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، 2005ء)، 149–150۔

22۔ مرجع سابق، ۱۵۰۔

23۔ محمد حمید اللہ، مرجع سابق، 68۔

24۔ مرجع سابق، ۶۸۔

"اس طرح کی بہت سی معلومات حدیث و سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"انانبی الرحمة وانانبی الملحمة "یعنی میں رحمت کا بھی نبی ہوں اور جنگ کا بھی نبی ہوں۔ جس کا بعد میں دنیا کے بہترین سپاہ سالار کی حیثیت سے مظاہرہ بھی ہوتا ہے۔ اس طرح بہترین سیاسی لیڈر اور بہترین مدبّر کی حیثیت سے آپ ﷺ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آپ ﷺ کی دفاعی اور جنگی حکمت عملی میں ایک اہم اصول یہ بھی سامنے آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مقصد کا حصول چاہتے تھے، لوگوں کا خون بہانا یا دشمن کا محض خاتمہ کرنا آپ ﷺ کے پیش نظر نہیں تھا۔"[25]

مورخین اور سیرت نگاروں کے مطابق رسول اکرم ﷺ مذکورہ دفاعی اور جنگی حکمت عملی کا غزوات و سرایا میں بطور خاص اہتمام فرماتے اور انہیں پیش نظر رکھتے تھے، جبکہ غزوۂ بدر میں ان امور کو بطور خاص پیش نظر رکھا گیا اور ان پر خاص توجہ دی گئی۔ یہ اصول آپ ﷺ کی دفاعی اور جنگی حکمت عملی کا اہم حصہ شمار کیے جاتے ہیں۔

یہ بھی آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا اصول تھا کہ آپ ﷺ جس بات کو ظاہر کرنا چاہتے تھے، وہ کر دیتے تھے اور باقی حالات کو صیغۂ راز میں رکھتے تھے، کیونکہ اس طرح دشمن کو آگاہی کا خطرہ تھا۔ یہ آپ ﷺ کی عسکری فراست ہے کہ آپ ﷺ نے مدینے کے شمال کی طرف جانے کے بجائے مدینے کے جنوب کو مکے کی جانب رخ کیا، تاکہ دشمن سے پہلے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں جہاں اسے روکنا ممکن ہو۔[26]

سراغ رساں دستے کی تقرری:

جنگِ بدر سے عین قبل کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ قریشِ مکہ شمال کی طرف گئے ہیں تو آپؐ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ دشمن کا کارواں اس راستے سے واپس آئے گا، کسی اور راستے سے وہ واپس نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا دو جاسوس مقرر کیے گئے کہ وہ ملکِ شام جا کر اس تجارتی کارواں کے قریب رہیں۔ جیسے ہی یہ کارواں انتظام کر کے واپسی کا قصد کرے، تیزی سے اطلاع دی جائے کہ دشمن اب آنے والے ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ جب یہ دونوں جاسوس تیزی سے مدینے واپس آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ا کو کارواں کی آمد کی اطلاع دیگر وسائل سے ہو چکی ہے۔ آپؐ مدینے سے روانہ بھی ہو چکے ہیں۔[27]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

25۔ مرجع سابق،۶۸۔

26۔ احمد راتب عرموش، قیادۃ الرسول ﷺ السیاسیۃ والعسکریۃ، 204؛ محمد صدیق قریشی، رسول اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی،70۔

27۔ محمد حمید اللہ، مرجع سابق۲۸۔

اس سے یہ استنباط کرنا پڑتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختلف وسائل اختیار فرماتے تھے، تاکہ دشمن کی خبریں مسلمانوں تک پہنچتی رہیں اور اس کا بھی انتظام کیا جاتا کہ ہماری خبریں دشمن تک نہ پہنچنے پائیں۔(28)

گشتی دستوں کی تشکیل

ترکی کے معروف مذہبی اسکالر محمد فتح اللہ گلن لکھتے ہیں:

> رسول اکرم ﷺ نے جنگی حکمتِ عملی کے تحت نگراں گشتی دستوں کو مدینے کے گردونواح کی طرف روانہ فرمایا۔ ان نگراں فوجی دستوں کی روانگی کے پیش نظر درج ذیل مقاصد تھے:
>
> ☆ آپ ﷺ کفار کو یہ بتادینا چاہتے تھے کہ اسلام ایک اٹل حقیقت ہے، جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔
>
> ☆ جزیرہ نمائے عرب میں طاقت کے اعتبار سے مکے کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اس بناء پر دیگر قبائل اس سے وابستگی پر فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ ان گشتی دستوں کی روانگی کا مقصد ایک طرف اسلام کی طاقت کا اظہار تھا اور دوسری جانب عرب سے قریش کے غلبے اور اقتدار کے خاتمے کا اشارہ۔(29)

چنانچہ غزوۂ بدر کے وقوع پزیر ہونے سے قبل آپ ﷺ نے پہلے ایک دستہ اس علاقے کی معلومات کے حصول کے لیے بھیجا، اس کے بعد دو دستے مزید روانہ فرمائے، تاکہ وہ اپنے طور پر اطلاعات فراہم کرسکیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے دو قیدیوں سے بھی معلومات حاصل کیں، جنھیں ایک اطلاع یہ دی اگر دستہ گرفتار کرکے غزوۂ بدر سے پہلے لے آیا تھا۔ ان سے مفید معلومات ہاتھ آئیں۔ بدر کے میدان کا انتخاب بھی انہی معلومات سے اخذ کردہ تھا۔(30)

دشمن کے متعلق اطلاعات کے حصول کے لیے ان سرگرمیوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ ﷺ نے روانگی سے قبل ہی اس امر کا اندازہ لگالیا تھا کہ دشمن کی تعداد تقریباً ایک ہزار یا اس سے زائد ہے، اس بات کا اندازہ آپ ﷺ نے دشمن کے لیے ذبح کیے جانے والے اونٹوں سے کیا تھا۔ یہی تیکنیک آج بھی فوجی انٹیلی جینس میں استعمال کی جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے اپنے خبر رسانی کے نظام کے ذریعے قریش کے لشکر اور کارواں دونوں کی حرکات وسکنات پر مکمل نظر رکھی کہ ان کے درمیان کسی قسم کا رابطہ تو نہیں ہے؟(31)

28- مرجع سابق، ۲۸

29- محمد فتح اللہ گلن، Prophet Muhammad as Commander حضور ﷺ بحیثیت سپہ سالار، مترجم: خالد ندیم، (لاہور: بیت الحکمت، 2006ء)، 59۔

30- موسوعۃ السیرۃ النبویۃ، 204؛ نیز دیکھیے: محمد صدیق قریشی، پروفیسر، رسول اکرم ﷺ کا نظامِ جاسوسی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1990ء)، 24۔

31- مرجع سابق، ۸۱، نیز دیکھیے: موسوعۃ السیرۃ النبویۃ، ۲۰۴۔

قریشِ مکہ کی تجارتی ناکہ بندی

آپ ﷺ کے نظامِ جاسوسی کا ایک پہلو معاشی جاسوسی بھی تھا۔ آپ ﷺ نے شام کو جانے والی قریش کی تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی کی۔ یہ راستہ کوئی اسّی میل کی ساحلی پٹی پر پھیلا ہوا تھا اور آسانی سے مسلمانوں کی دسترس میں تھا۔ آپ ﷺ نے حبس الطریق کا طریقہ اختیار کر کے گویا قریشِ مکہ کی اقتصادی شہ رگ ہی کاٹ دی۔[32]

غرض رسول اکرم ﷺ مدینے سے نکل چکے تھے اور فوجی فراست کی بدولت مدینے کے شمال کی جانب جانے کے بجائے مدینے کے جنوب شہر مکہ کی جانب جاتے ہیں۔ تاکہ دشمن کے پہنچنے سے پہلے کسی محفوظ مقام پر پہنچ پائیں، جہاں دشمن کو روکنا ممکن ہو۔ اس کے لیے بدر کا مقام منتخب کیا گیا۔ یہ مقام بلند پہاڑیوں کے درمیان تنگ وادیوں سے گزرتا ہے، اس لیے نسبتاً آسانی کے ساتھ یہ ممکن تھا کہ مسلمان ایک ایسے مقام پر قیام کریں جہاں تنگ راستہ ہو۔ وہ پہاڑوں میں چھپے رہیں دشمن بے خبری میں آئے اور وہ اس پر چھاپہ مار سکیں۔[33]

فوج کی نقل و حرکت کو مخفی رکھنا

ان حالات میں تمام حربی، عسکری اور دفاعی امور پر بھرپور توجہ دی گئی۔ یہاں تک کہ رسولِ کریم ﷺ نے اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیاں تک اتارنے کا حکم دیا، معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے یہ کام فوج کی نقل و حرکت کو مخفی رکھنے کے لیے کیا تھا، کیوں کہ اونٹوں کے چلنے سے گھنٹیوں سے بلند آواز نکلتی ہے، جس سے دشمن کو فوج کی جگہ معلوم کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے، اس وجہ سے رسول کریم ﷺ نے گھنٹیوں کو اونٹوں کی گردنوں سے اتارنے کا حکم دیا۔ جنگی حالات کا عام دستور ہے اور ان حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ احتیاط اختیار کی جائے، رسول کریم ﷺ نے دشمن کے قافلے کے حالات معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس بھی بھیجے۔[34]

انٹیلی جینس کا نظام

موجودہ دور میں انہیں انٹیلی جینس یا حالات معلوم کرنے کے آلات کہا جاتا ہے، انٹیلی جینس کے افراد فوج کے آگے اِدھر اُدھر پھیل جاتے ہیں، ان میں سے ایک بسبس بن عمرو جہنی اور دوسرے عدی بن ابی الزغبا تھے۔ یہ دونوں پہلے شخص ہیں جنہیں رسول کریم ﷺ نے بدر کی جانب ابوسفیان کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔[35]

32۔ مرجع سابق، ۲۵۔

33۔ محمد حمید اللہ، مصدر سابق، ۲۹۔

34۔ احمد محمد باوزیر، مرویات غزوۃ بدر (ریاض: مکتبہ طیبہ، 1980ء)، 100؛ محمد احمد باشمیل، غزوۂ بدر، مترجم: اختر فتح پوری (کراچی: نفیس اکیڈمی، 1986ء)، 140۔

35۔ نیز دیکھیے Fazlur Rahman, Muhammad as a Military Leader (Lahore: Islamic Publications, 1990), 117–140.

طلایہ گرد دستے یا سراغ رسانی کے لیے بھیجے گئے افراد کی روانگی کے اہم مقاصد یہ تھے:

- دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کرنا اور ان کے عزائم اور منصوبوں کا پتہ لگانا۔
- افراد اور وسائل کے لحاظ سے دشمن کی قوت کا اندازہ کرنا۔ کیوں کہ دفاعی نقطۂ نظر سے اس کی سخت ضرورت تھی کہ دشمن کی صحیح تعداد معلوم ہو۔ ان کے سامانِ جنگ اور اسلحہ وغیرہ کا اندازہ ہو، تاکہ مسلمان پورے اعتماد اور تیاری کے ساتھ ان کا مقابلہ کر سکیں۔
- ارد گرد کے علاقوں کی فوجی نقطۂ نگاہ سے جغرافیائی نوعیت و اہمیت کا اندازہ کرنا، فوجوں کی نقل و حرکت کی صورت میں فوجی اہمیت کے مقامات تک رسائی، میدانِ جنگ میں مناسب آڑ اور محفوظ مقامات، دشمن سے تصادم کا دائرہ اور چھپ کر حملہ کرنے کے امکانات۔
- آس پاس کے علاقے میں پانی کی فراہمی کے وسائل یعنی کنوؤں اور چشموں کا پتہ لگانا۔
- لڑنے والی نفری کے لیے مقامی ذرائع سے رسد کی فراہمی کا جائزہ لینا۔(36)

مختصر یہ کہ مختلف مقامات پر دریافت کرتے ہوئے جاتے ہیں کہ دشمن کی کوئی اطلاع ہے؟ آخر میں ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ صحابۂ کرامؓ کے مشورے سے ایک اندرونی حصہ منتخب کرتے ہیں، جہاں کنواں تھا۔ اس میں یہ مصلحت پیش نظر رکھی گئی کہ کفارِ مکہ بدر آئیں گے تو انہیں بھی پانی کی ضرورت ہوگی اور پانی کا صرف ایک کنواں تھا، اگر وہ ہمارے قبضے میں رہے گا تو دشمن یہاں آئے گا، اس طرح ہم دشمن پر جنگی نقطۂ نظر سے فوقیت حاصل کریں گے۔(37)

اس موقع پر بعض صحابۂ کرامؓ کے مشورے سے ایک گڑھا بھی کھودا گیا، جس میں وافر مقدار میں پانی ذخیرہ کیا گیا۔ اس میں یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ دورانِ جنگ ہم میں سے اگر کسی کو پیاس لگے، تو اس دوران گہرے کنویں سے پانی نکالنے اور پینے میں دقت ہوگی، اس دوران دشمن ہم پر حملہ آور ہو تو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ ایک گڑھا ہو جس میں پانی بھر دیا جائے اور ہمارے سپاہی وہاں پہنچ کر فوراً ہی چلّو سے پانی پی لیں۔ دشمن اگر یہاں آئے اور پانی پینا چاہے تو اس کی نگرانی کے لیے کچھ لوگ یہاں متعین رہیں، گو کہ آج یہ تدبیریں معمولی محسوس ہوتی ہیں، لیکن اس زمانے میں فوجی اور دفاعی نقطۂ نظر سے نہایت کارآمد ثابت ہوئیں۔(38)

اس اثنا میں دشمن کی مکے سے آنے والی فوج ابو جہل کی سرداری میں وہاں پہنچ گئی۔ دشمن کی فوج کی تعداد جاننے کے لیے ایک نگراں دستہ (پٹرول) بھیجا گیا۔ اس نے دشمن (کفارِ مکہ) کی فوج کے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔

36- مرجع سابق، صفحہ ۱۱۳، تفصیل کے لیے دیکھیے: موسوعۃ السیرۃ النبویۃ، ۲۰۵، ۲۰۴۔

37- محمد حمید اللہ، مصدر سابق، 31؛ نیز دیکھیے: موسوعۃ السیرۃ النبویۃ، 204۔

38- مرجع سابق، ۳۲، موسوعۃ السیرۃ النبویۃ، ۲۰۴۔

انہیں رسول اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپؐ نے ان سے سوالات کیے، وہاں بھی دو چیزیں ایسی نظر آتی ہیں کہ جو فوجی اور عسکری لحاظ سے انتہائی دل چسپ اور بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم مکے سے آنے والی فوج کے سپاہی ہیں۔ پھر آپؐ نے ایک دل چسپ سوال یہ کیا کہ تم لوگوں کی غذا کے لیے روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا، ایک دن نو اور ایک دن دس۔ یہ سن کر حضور اکرم انے فوراً یہ استنباط کیا کہ ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہو گی۔ کیوں کہ ایک اونٹ ایک سو افراد کی ایک دن کی غذا کے لیے کافی ہوتا ہے۔(39)

- ایک سوال ان سے یہ کیا گیا کہ فوج میں کون کون نام ور سردار موجود ہیں؟
- اس سوال سے غالباً آپؐ یہ اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ جنگ کے وقت فوج کی کمان کون کون کرے گا؟
- میمنہ میں کون ہو گا؟
- میسرہ میں کون ہو گا؟
- مختلف مقامات پر کون کون ہو سکتا ہے؟

غزوۂ بدر کے موقع پر اگرچہ مسلمانوں کی فوجی قوت بہت کم تھی، اس کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ مدینے سے باہر نکلے، تاکہ دشمن کو اپنے علاقے سے دُور رکھ کر اس کا مقابلہ کریں۔ آپؐ نے ارادی طور پر مدینے کے قرب و جوار کے علاقے کو جنگ کا میدان نہ بننے دیا اور آگے بڑھ کر دشمن کا سامنا کیا، تاکہ ایک جانب مدینہ محفوظ رہے، دوسری جانب دشمن اس دھوکے میں رہے کہ آپؐ کا رخ تجارتی قافلے کی طرف ہے یا قریشِ مکہ کے لشکر کا سامنا کرنا مقصود ہے؟

اس طرح دشمن کو نہ تو مسلمانوں کی نقل و حرکت کا اصل ہدف معلوم ہو سکا، نہ ان کے عزائم کا پتہ چل سکا۔ وہ محض تخمینہ ہی لگاتے رہے کہ آنحضرت ﷺ کدھر کا رخ کرنے والے ہیں؟

جب کہ آپؐ بدر کے میدان میں بھی پہنچ گئے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ قریش کے اس تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنا چاہتے ہیں، جو ابوسفیان کی قیادت میں شام سے آرہا تھا اور کچھ کا خیال تھا کہ آپؐ قریش کے لشکر کا سامنا کرنے نکلے ہیں۔(40)

39۔ مرجع سابق، ۳۲۔

40 Afzalur Rahman, Op.cit., 181.

رسول اکرم ﷺ کے ارادوں کے متعلق صحیح علم نہ ہونے کے سبب دشمن نہ تو کوئی فوجی چال چل سکا، نہ آپؐ کو کسی جال میں پھنسا سکا، آپؐ نے آخری وقت تک دشمن کو اندازہ نہیں ہونے دیا کہ آپؐ کا اصل منصوبہ کیا ہے؟ اس بنا پر دشمن نہ تو حملے کی کوئی منصوبہ بندی کر سکا، نہ اپنے دفاع کا کوئی منصوبہ بنا سکا۔([41])

غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم ﷺ کے جنگی اصول

غزوۂ بدر کی تفصیلات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ حاضر میں ماہرینِ حرب نے صدیوں کی تاریخ کو سامنے رکھ کر جنگ کے جو بنیادی اصول وضع کیے ہیں، ان پر پیغمبرِ اسلام ﷺ ساتویں صدی ہجری ہی میں عمل کر چکے تھے۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

1. اصلی مقصد کا پیشِ نظر ہونا۔
2. اقدام۔
3. دشمن پر اچانک حملہ۔
4. اجتماع یا ارتکاز۔
5. حفاظت۔
6. قوت کے استعمال میں کفایت۔
7. حرکت پذیری۔
8. تعاون۔([42])

میدانِ بدر کے انتخاب کی وجہ

میجر جنرل (ر) محمد اکبر خان (سابق کرنل کمانڈنٹ رائل پاکستان آرمی سروس کور) لکھتے ہیں:

> یہاں ہم اس دفاعی اصول کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں، جس کے تحت آپؐ نے قریشِ مکہ کے لشکر کا مقابلہ مدینے کے قریب نہیں کیا، بلکہ مدینے سے منزلوں دُور میدانِ بدر میں کیا۔ دفاعی منصوبے کی بڑی خوبی یہ ہے کہ دشمن کو ہماری نقل و حرکت کے مقصد کا علم نہ ہو اور وہ اس شش و پنج میں رہے کہ ہم خدا جانے کیا کرنا چاہتے ہیں؟ پھر فوج کی ترتیب اس طرح کی جائے کہ دشمن کی چالوں کو رد کرنے کے لیے کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ فوج خطرے کے مقام پر آسانی سے جمع کی جاسکے۔ آنحضرت ﷺ دشمن کی طاقت کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے بدر کا مقام عسکری و دفاعی لحاظ سے موزوں اور بہترین تھا۔ یورپ کے ایک مشہور دفاعی مبصر کا قول ہے کہ جو سپہ سالار ہر جگہ مضبوط رہنا اور بیک وقت کئی مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ ہر جگہ ناکام رہتا ہے اور ہر موقع پر شکست کھاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے

---

[41]- مرجع سابق، ۱۸۲۔

[42]- سیّد واجد رضوی، مرجع سابق، 121۔

اپنی فہم و بصیرت سے بدر کے مقام کا انتخاب کر کے اپنی چھوٹی سی فوج سے دشمن کو شکستِ فاش دے کر اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے میدانِ بدر میں اپنا مقام اور محفوظ فوج کی جگہ ایسی رکھی کہ وہ نہ حملے کی زد میں تھی، نہ بہت دُور۔ آپؐ نے پوری جنگ اپنی آنکھوں سے ہوتی دیکھی اور جب محفوظ دستے کے استعمال کا وقت آیا تو اسے دشمن کے کمزور پہلو پر حملے کا حکم دے کر شکست دے دی۔[43]

رسول اکرم ﷺ کی کامیابی کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپؐ دشمن کے لشکر کو ایک ایسے میدان میں لے آئے جو فن سپہ گری کے لحاظ سے اس کی فوجی تربیت کے لیے موافق نہ تھا، اس کے سوار بالکل بے کار ہو گئے، جس سے اس کی طاقت کم ہو گئی، پانی نہ ملا تو آپؐ کی فوجی چال کے مطابق دشمن نے مجبور ہو کر خود بخود لشکرِ اسلام پر حملے کے لیے فوج کا کوئی حصہ الگ نہ رکھا، لہٰذا جب آپؐ کے حکم سے اسلامی دستے نے حملہ کیا تو قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ مُردوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔[44]

فوجی ہیڈ کوارٹر کا قیام

اسلامی لشکر کی قیادت چوں کہ آپ ﷺ کی ذمے داری تھی، اس لیے حضرت سعد بن معاذؓ نے آپ ﷺ کے لیے ایک محفوظ موزوں ٹیلے پر سائبان نصب کرایا اور اس کی حفاظت و نگہبانی اپنے ذمے لے لی۔ یہ سائبان آج کل کی عسکری اصطلاح میں فوجی ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس مقام سے آپ ﷺ طرفین کی نقل و حرکت دیکھ سکتے تھے اور اپنے لشکروں کو فوجی اشارے بھی دے سکتے تھے۔[45]

آپ ﷺ کی کامیاب دفاعی اور جنگی حکمت عملی کے عوامل میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ میدانِ جنگ میں کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، نیز دشمن کی غفلت، سُستی اور سہو سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ چنانچہ لشکرِ قریش کے دیر سے میدان جنگ میں پہنچنے کا آپ ﷺ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنے لیے پانی کا ذخیرہ کر لیا۔ صف بندی کے لیے میدان جنگ میں موزوں ترین جگہ منتخب کی۔ دن کے مختلف اوقات میں سورج اور ہوا کا رخ معلوم کیا۔ عقب، دائیں اور بائیں سے اچانک حملے کے امکانات کا بغور جائزہ لیا۔ آپ ﷺ کو چونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ دشمن کے لشکر کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے، یعنی وہ تین گنا زیادہ ہے، لہٰذا ایک عبقری ماہر حربیات و سپہ سالار کی طرح آپ ﷺ نے فوج کی صف بندی اس طرح کی کہ دشمن حملے کے وقت اپنی ساری فوج بیک وقت کام میں نہ لا سکے، دوسرے سورج مجاہدین کے پہلو یا عقب میں اور دشمن کے سامنے رہے، خصوصاً دوپہر کو یعنی گھمسان کے رن کے وقت اور اس وقت ہَوا کا رخ بھی دشمن کی سمت ہو

43- محمد اکبر خان، حدیثِ دفاع: نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں، 155.

44- مرجع سابق، ۱۶۳۔

45- احمد راتب عرموش، مصدر سابق، صفحہ 48؛ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، پیغمبرِ اعظم ﷺ و آخر (کراچی: فیروز سنز)، 469۔

تاکہ ریت کے جھکڑ چلیں تو ان کا رخ بھی دشمن کی طرف ہو۔ آپ ﷺ نے قلب لشکر کی مدد اور اسے محاصرے سے محفوظ رکھنے کے لیے میمنہ اور میسرہ پر تیر اندازوں کو رکھا اور عقب میں مجاہدین کا ایک مضبوط دستہ محفوظ فوج کے طور پر متعین کیا اور تینوں لشکروں کو علیحدہ علیحدہ ہدایات دیں اور تاکید کی کہ وہ آپؐ کے حکم یا اشارے کے بغیر کوئی اقدام نہ کریں۔([46])

غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم ﷺ کی ایک اور قابلِ قدر کامیابی یہ تھی کہ آپؐ نے دشمن کی فوج کو منقسم رکھا۔ یہ آپؐ کی بڑی جنگی حکمتِ عملی تھی۔ آپؐ نے اپنی آمد کے لیے پہاڑوں کے درمیان مشکل اور دشوار گزار راستے اختیار کر کے دشمن کو اپنی نقل و حرکت کی خبر نہ ہونے دی۔ وہ جان ہی نہ سکے کہ آپؐ کا حقیقی منصوبہ کیا ہے؟ اس لیے وہ اس لشکر کو بھی واپس نہ بلا سکے، جسے انہوں نے ابوسفیان کی حفاظت کے لیے روانہ کیا تھا۔ جب کارواں سلامتی سے گزر گیا تو بعد میں واپس آکر ان کے مرکزی لشکر سے ملنے کا کفارِ قریش کو کوئی فائدہ نہ ہو سکا۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ کا انہیں اچانک سامنا کرنا پڑا۔ اس حکمتِ عملی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ کچھ عرب قبائل جو قریش سے اس ارادے سے مل گئے تھے کہ تجارتی قافلے کی حفاظت کریں، انہوں نے جب یہ سنا کہ کارواں بحفاظت مکے چلا گیا ہے تو اپنے آدمی قریش کے دستوں سے الگ کر لیے۔([47])

حیران کن فوجی حکمتِ عملی اور منصوبہ سازی

فوجی حکمتِ عملی اور منصوبہ سازی میں رسولِ اکرم انے مختلف تیکنیک کو ایسی حکمتِ عملی، مہارت اور اتنے موثر انداز میں استعمال کیا کہ پیشہ ور فوجی لیڈروں اور عسکری امور کے ماہر افراد کو آج تک آپؐ کے اقدامات پر حیرت ہے۔ آپؐ نے میدانِ جنگ میں حملے میں پہل کے حربے کو کم و بیش ہر مہم میں استعمال کیا اور اپنے منصوبوں کے متعلق پوری رازداری برتی، آپؐ نے ہمیشہ فوج کو اس ذہن کے ساتھ میدانِ جنگ میں متعین کیا کہ جانی اور مالی نقصان کم سے کم ہو۔ لیکن دشمن کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیزی اور مستعدی سے عملی جامہ پہنایا۔ آپؐ نے نفسیاتی عوامل کو بھی اسی جرأت اور حکمتِ عملی کے ساتھ استعمال کیا کہ دشمن اس کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔([48])

غزوۂ بدر کا خاص پہلو یہ ہے کہ عسکری اور دفاعی نقطۂ نظر سے حقیقی مقصد ہی رسول اکرم ﷺ کے پیشِ نظر رہا۔ دشمن کی اصلی قوت کو تباہ کرنے کے لیے آپ ﷺ نے ممکنہ اقدامات کیے اور احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور جب ریت کے طوفان سے دشمن کے کیمپ میں ابتری پھیل گئی، آپ انے بروقت اور عین موقع پر دشمن پر حملہ آور ہو کر اس کے قلب لشکر کو تباہ کر دیا۔([49])

46۔ نفس مرجع 48؛ نفس مرجع،470۔

47۔ Fazalur Rahman, Op.cit.183

48۔ مرجع سابق،۱۸۷۔

49۔ احمد راتب عرموش، مرجع سابق، صفحہ، 51؛ سیّد واجد رضوی، رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں،125۔

اسی طرح غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ نے اپنی محدود فوج (۳۱۳ مجاہدین) کے مدِّ نظر دفاعی خط اگرچہ قائم کیا تھا، تاہم مناسب وقت پر اچانک اقدام بھی کیا اور دشمن کے دائیں بازو پر اپنے دستوں کو جمع کر دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے نہ صرف دفاعی جنگ کے اصول پر عمل کیا بلکہ اقدام اور اچانک حملے کے اصولوں سے بھی پورا پورا فائدہ اٹھایا۔([50])

غزوۂ بدر میں اسلامی لشکر کی میدان بدر تک آمد اور پھر بدر کے میدان میں اس کی نقل و حرکت فن لشکر کشی کے عین مطابق تھی۔ سپاہ سالار اعظم حضرت محمد ﷺ ایسے راستوں سے بدر تک پہنچے کہ مشرکینِ مکہ کو اس کی اطلاع تک نہ ہو سکی، یہ بات دشمن کی سمجھ میں نہ آ سکی کہ آپ ﷺ تجارتی قافلے پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں یا لشکر قریش سے مقابلے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھنے سے قاصر رہے کہ آپ ﷺ کس جگہ اور کس مقام پر مقابلہ کرنے والے ہیں۔

صف بندی اور تیر انداز دستوں کا تعین

دفاعی اور جنگی نقطۂ نظر سے غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم ﷺ کی عسکری اور دفاعی حکمت عملی کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ "جنگ بدر" میں آنحضرت ﷺ نے حفاظت کی تمام ممکنہ تدابیر اختیار کیں۔ آپ ﷺ نے اگلی صفوں کی حفاظت کے لیے بہترین جگہ پر تیر اندازوں کو مقرر کیا اور لشکرِ اسلام کی حفاظت کے لیے محفوظ دستے بھی متعین فرمائے تھے۔([51])

غزوۂ بدر میں میدان کے بالائی حصے سے جہاں سے تمام میدانِ جنگ پر نظر پڑتی تھی، حضور اکرم ﷺ نے بحیثیت سپہ سالار صفیں درست کرنے کا حکم دیا۔ لشکر کو تین حصوں پر تقسیم کیا۔ ایک کو میدان کے مرکز میں متعین فرمایا جبکہ دوسرے دونوں دستوں کو عقب میں۔ مرکزی دستے میں مہاجرین و انصارؓ کے سر کردہ سردار شامل تھے، جو وفاداری اور جاں نثاری میں ممتاز تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا علم مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا، جبکہ دوسرے دو دستوں کی قیادت حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کر رہے تھے۔([52])

ضروری اقدام اٹھاتے ہوئے جنگی تیاریاں مکمل کر لی گئیں اور تمام وسائل کو مجتمع کر کے باصلاحیت صحابہؓ کو مختلف دستوں کی قیادت سونپی گئی۔ میدان کے بالائی حصے میں صف بندی کر کے حضور اکرم ﷺ نے اپنا خیمہ وہاں نصب کیا، جہاں سے پورا نقشہ آپ ﷺ کے سامنے ہو اور جہاں سے آپ ﷺ کے احکام بہ سہولت مجاہدین تک پہنچ سکیں۔([53])

صف بندی کے مطلوبہ نتائج اور اثرات

50۔ رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں، 130؛ نیز دیکھیے: احمد راتب عرموش، مصدر سابق، صفحہ 48؛ محمد محفوظ، المدخل إلى العقيدة والاستراتيجية العسكرية (قاہرہ: مطابع الهيئة المصرية)، 121؛ محمد الرشيد، القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ (دار القلم، 1410ھ)، 401۔

51۔ سیّد واجد رضوی، مرجع سابق، 130، 133۔

52۔ محمد فتح اللہ گلن، مرجع سابق، 71۔

53۔ مرجع سابق، 72؛ نیز دیکھیے: احمد راتب عرموش، مرجع سابق، 48۔

رومانیہ کے معروف ادیب اور محقق جنہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی تھی۔ موصوف اپنی اس کتاب میں غزوۂ بدر میں رسولِ اکرمؐ کی صف بندی اور مورچہ بندی کے متعلق لکھتے ہیں:

> اس کے بعد پیغمبرِ اسلامؐ نے مسلمانوں کو مورچہ بندی کی تعلیم دی۔ یہ مورچہ بندی کا طریقہ سکندر مقدومی کے باپ فلپ نے تقریباً ہزار برس پہلے ایجاد کیا تھا اور یونانی زبان میں اسے فالانتر کہتے تھے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ لڑنے والے ایک دوسرے کی بغل میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ ہر ایک کی تہی گاہ دوسرے سے ملتی تھی۔ پھر صف ٹیڑھی ہو کر مثلث یا مربع یا دائرہ کی شکل میں ہو جاتی تھی، اس مثلث یا مربع یا دائرہ میں سب سپاہیوں کا منہ دشمن کی طرف ہوتا تھا اور پیٹھ اندر کی طرف ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دشمن پیچھے کی طرف سے حملہ نہیں کر سکتا تھا، کیوں کہ جدھر جاتا تھا ادھر سپاہیوں کا سامنا ہوتا تھا۔ میدانِ جنگ کے اس نظام کو یونان میں فالانتر کہتے تھے۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے عرب کی تاریخ میں پہلی بار یہ نظام عرب میں داخل کیا اور غزوۂ بدر میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شجاعت سے بڑھ کر جو چیز مسلمانوں کی فتح کا سبب بنی وہ یہی جدید جنگی نظام تھا۔ ([54])

محمود شیت خطاب کے مطابق جنگ کے موقع پر صف بندی کے جو مقاصد آپؐ کے پیشِ نظر تھے، وہ درج ذیل تھے:

☆ دشمن کا مقابلہ کر کے اس کے اچانک یا کسی ممکنہ حملے کو روکنا۔

☆ دشمن کے لیے ایسے حالات پیدا کر دینا کہ جو اس کے لیے یک سر خلاف توقع ہوں یا

☆ ان صفوں میں سے کسی ایسے گروپ کو کمک پہنچانا جس پر دشمن کے سوار یا پیادے دباؤ ڈال رہے ہوں۔ علاوہ ازیں

☆ پچھلی صفوں سے حسب ضرورت احتیاط اور حکمت عملی کے ساتھ دشمن پر دباؤ بھی ڈالا جا سکتا ہے۔ صف بندی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طرح پوری فوج نگاہ میں رہتی ہے اور اس کی نگرانی کی جا سکتی ہے۔ اپنا بچاؤ بھی کیا جا سکتا ہے اور ایک ہی وقت میں دشمن پر حملہ اور دفاع بھی آسان ہے۔ ([55])

غزوۂ بدر میں صفوں پر رسول اللہ ﷺ کا کنٹرول پوری طرح ہر مرحلے پر قائم رہا۔ دفاع کے وقت بھی حملے کے وقت بھی اور تعاقب کے وقت بھی۔ ایک فرد بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بغیر جنگ کے لیے نہیں نکلا، صحابہ کرامؓ نے میدانِ بدر میں جو بھی جنگی اقدام کیا، وہ آپؐ کے حکم کے مطابق کیا۔ صف بندی کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ آپؐ کا فوج پر مکمل کنٹرول مسلسل طور پر قائم رہا۔ اس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر میں ایک نیا اسلوبِ جنگ اختیار کیا اور آپؐ کی دفاعی اور جنگی حکمتِ عملی کے نتیجے میں فتح و نصرت نے آپؐ کے قدم چومے۔ ([56])

معروف عرب مصنف محمود شیث خطاب کے مطابق

54۔ کونستان ورژیل جارج، پیغمبرِ اسلام ﷺ (کراچی: شمع بک ایجنسی)، 234۔

55۔ حمود شیت خطاب، مرجع سابق ۱۴۷۔

56۔ مرجع سابق، ۱۴۹۔

> معرکہ بدر میں رسول اکرم ﷺ کا صفوں کے اسلوب پر عمل پیرا ہونا مشرکین مکہ پر آپ ﷺ کی فتح کا ایک اہم سبب ہے۔ عسکری تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم زمانے کے عظیم سپہ سالاروں سکندر اعظم، ہنی بال اور عہدِ حاضر کے نپولین، مولٹکہ، روہیل اور رچرڈ وغیرہ کو اس لیے برتری اور فتوحات حاصل ہوئیں کہ انہوں نے جنگ میں غیر معروف جدید اسلوب پر عمل کیا، انہوں نے غیر معروف جدید ہتھیاروں سے جنگ کی۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے فوجی بھرتی میں جس اسکیم پر عمل کیا اور اسے ایجاد کیا، اس کے ذریعے آپ ﷺ نے مشرکین مکہ پر امتیاز حاصل کیا جنہوں نے اس سے قبل اپنی جنگوں میں اس قسم کی اسکیموں پر عمل نہیں کیا تھا، لہٰذا یہ حکمت عملی غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح پر نمایاں طور پر اثر انداز ہوئی۔ (57)

چنانچہ تاریخ عالم کی بعض اہم جنگوں سے غزوۂ بدر کا مقابلہ کیا جائے تو رسول اکرم ﷺ کی عسکری اور دفاعی حکمتِ عملی اور آپؐ کی حربی قابلیت کا بہتر اندازہ ہو سکتا ہے، نیز اس امر کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ آپؐ تاریخ عالم کے ممتاز ترین ماہرِ امورِ حرب اور فوجی جرنیل تھے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل مماثل جنگوں کو دیکھا جائے، جو فنِ حرب کے لحاظ سے بہت اہم سمجھی جاتی ہیں:

(۱) جنگِ خادیش ۱۲۸۸ء ق۔م

(۲) جنگِ اربیلا ۳۳۱ء ق م

(۳) جنگِ ٹریبیا ۲۱۸ء ق م

(4) جنگِ ریمی لائس۔ ۱۷۰۶ء

(۵) جنگِ بیرِ ہاشم۔ مئی۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء (58)

کونستان ورژیل جارج لکھتے ہیں:

> حضرت محمد ﷺ نے از خود ایک ایسا نظام ایجاد کیا جس میں تین دستے مثلث کی شکل میں تھے، ہر دستہ اپنی جگہ مکمل اور دوسرے کا پشت پناہ تھا۔ دشمن جس طرف سے بھی حملہ کرتا تو ضرور کسی نہ کسی دستہ سے اس کی مڈ بھیڑ ہو جاتی اور اسی وقت دوسرے دستے بھی اس کی مدد کرتے۔ اس مثلث کے ہر دستے میں ایک جھنڈا تھا۔ پہلا جھنڈا حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے ہاتھ میں تھا، اس کا رنگ سفید تھا۔ دوسرا جھنڈا مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھا، یہ مہاجرین میں سے تھے۔ تیسرا جھنڈا ایک انصاری صحابی حضرت سعد بن معاذؓ کے ہاتھ میں تھا۔ (59)

محدود اور مختصر دفاعی قوت کا موثر استعمال

57۔ محمد احمد باشمیل، غـزوۂ بدر، 279؛ احمد راتب عرموش، قیـادۃ الرسول ﷺ السیاسیۃ والعسکریـۃ، 51۔

58۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیّد واجد رضوی، مـرجع سـابق، 151۔

59۔ کونسٹن ورژیل جارج مرجع سابق، ۲۳۵۔

حربی اور عسکری نقطۂ نظر سے غزوۂ بدر میں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ سالارِ اعظم ﷺ نے جنگِ بدر میں اپنی محدود اور مختصر قوت کا استعمال بڑی احتیاط اور انتہائی حکمت عملی سے کیا، تین سو تیرہ مجاہدین کو نہ صرف میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کیا بلکہ محفوظ دستے بھی ان میں سے علیحدہ کیے اور دشمن پر اس وقت تک تیر اندازی کا حکم نہیں دیا جب تک وہ پوری طرح اسلامی لشکر کی زد میں نہیں آگیا اور تیروں کے ضائع ہونے کا احتمال باقی نہ رہا، جنگ ختم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی حربی اور عسکری قوت کا جائزہ لیا اور دیکھا کہ اسلامی لشکر میں اونٹوں کی انتہائی قلت ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے دشمن کو گھیرے میں لینے کے بجائے پسپا ہو جانے کا موقع دیا، ورنہ اس امر کا احتمال تھا کہ وہ بے جگری سے لڑنے پر مجبور ہو جاتا اور مسلمانوں کو نقصان برداشت کرنا پڑتا۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا ایک بنیادی سبب ان کی بے نظیر جرأت وشجاعت، استقامت اور باہمی تعاون بھی تھا۔ چنانچہ تیر اندازوں نے درست اور بروقت دشمن پر تیر برسائے، اسی طرح اقدام کرنے والے دستوں نے بھی وقت پر آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا۔ اسی طرح عورتوں اور اونٹوں پر مجاہدین نے بھی اپنے فرائض نہایت دلیری اور ثابت قدمی سے انجام دیے۔(60)

امریکہ کے ایک مصنف البرٹ مَرے(Albert Murrey) نے جو گزشتہ دو جنگوں، جنگِ عظیم اوّل اور جنگِ عظیم دوم کا تجربہ کار تھا۔ اپنی تصنیف "Psychology of war and Peace" میں لکھتا ہے کہ:

> تاریخ اور قوموں کا نفس مزاج اس حقیقت کو ہمیشہ جھٹلاتا رہا ہے کہ کسی قوم کی کم تعداد اس کی کیفیت کو بھی گھٹا دیتی ہے، اپنے حقوق کی حفاظت، جنگ میں کامیابی، اخلاقی اور سیاسی غلبے اور قومی عظمت کے لیے بڑی تعداد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی سی جماعت کثیر تعداد پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ تھوڑے لوگ بڑی بڑی فوجوں کو مار بھگاتے ہیں۔ ایک معمولی گروہ بڑے گروہ کو زیر کر لیتا ہے۔ دراصل تعداد کسی وقت بھی فیصلہ کن جوہر ثابت نہیں ہوتی۔ مقصد براری اور کامیابی کے لیے جن عوامل کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگر تھوڑی تعداد میں پائے جائیں، تو میدان ان ہی کے ہاتھ میں رہتا ہے اور یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ میدانِ جنگ میں جو ٹھہراؤ تھوڑی تعداد کو حاصل ہوتا ہے، وہ بڑی تعداد میں پیدا نہیں ہو سکتا۔

ماہرِ جنگ وماہرِ نفسیات البرٹ مرے(Albert Murrey) کے ان الفاظ پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ یہی بات تقریباً ۳ہزار برس پہلے (۱۰۴۰ق م تا ۱۰۲۰ق م) طالُوت کی فوج نے کہی تھی، جس کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے، "جب طالُوت اور

60- سیّد واجد رضوی، مصدر سابق، صفحہ، 135، 137؛ احمد راتب عرموش، قیادۃ الرسول ﷺ السیاسیۃ والعسکریۃ، 51۔

اس کے ساتھیوں نے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالُوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، تو جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے انہوں نے کہا:

﴿ كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين ﴾([61])

(بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ آخر کار انہوں نے کافروں کو شکست دی اور ان کی فوج کے ایک نوجوان داؤدنے (جو اس وقت کمسن نوجوان تھے) زبردست پہلوان جالُوت کو بھی قتل کر دیا۔

فرق صرف یہ ہے کہ ماہرِ نفسیات عوامل کو ضروری قرار دیتا ہے اور قرآن اسے "اذن اللہ" اور "صبر" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ یہ اعتقاد کہ اگر صبر بر قرار رکھا جائے تو اللہ اپنے کمزور بندوں کو حق کی راہ میں ہمیشہ غالب رکھتا ہے، ایک مومن کے اندر ضرور ثابت قدمی اور استقامت پیدا کر دیتا ہے۔ وہی اللہ جس کے اذن سے یہ سب کچھ ہو تا رہا ہے، دشمن سے مقابلے کے لیے ہر امکانی قوت کی فراہمی کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے بعد ہی ایک آیت کے نزول سے اس کی تائید ہو جاتی ہے، واقعات شاہد ہیں کہ باوجود پیغمبر ہونے کے (جنہیں اللہ کی ساری تائید حاصل تھی) آپؐ نے غزوۂ بدر میں تمام ممکنہ حربی تدابیر سے بھی کام لیا۔([62])

عصر حاضر کے عسکری اور دفاعی ماہرین کے نزدیک جنگ کے ناگزیر امور اور غزوۂ بدر میں ان کا استعمال عسکری اور دفاعی امور کے ماہرین کے نزدیک جنگ میں حسبِ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) دشمن کی پُشت کا راستہ جس سے وہ بصورت شکست پسپا ہو سکے، کاٹ دیا جائے۔

(۲) ایسی نقل و حرکت کی جائے جس سے دشمن کے محاذ کا رخ دفعتاً تبدیل ہو جائے اور اس کی تنظیم بگڑ جائے۔

(۳) ایسی نقل و حرکت کی جائے کہ دشمن کی فوج چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے۔

(4) دشمن کی رسد کے سلسلے کو منقطع کر دیا جائے۔

(۵) دشمن پر ایسی جگہ وار کیا جائے، جہاں وہ بچاؤ نہ کر سکے یا وار ایسے وقت کیا جائے کہ جب بچاؤ کے وقت وہ تذبذب میں ہو۔

(6) دشمن کے کمزور مورچے پر زبردست حملہ کیا جائے۔

61- البقرہ:249

62- محمد فوزی فیض اللہ، مصدر سابق، صفحہ، 62–63–؛ نیز دیکھیے: عبد الباری، مرجع سابق، 7۔

غزوۂ بدر میں کفارِ قریش کے ایک ہزار مسلّح سپاہیوں کے مقابلے میں تین سو تیرہ بے سر وسامان مجاہدین کی کامیابی رسول اکرم ﷺ کی دانش مندانہ حربی چالوں اور فنی مہارت پر دلالت کرتی ہے، آپؐ نے کمالِ تدبّر سے دشمن کے بڑھتے ہوئے دستوں کو قریب تر آنے کا موقع دیا اور جب وہ پوری طرح زد میں آ گئے، تو تیر اندازوں کو حکم دیا کہ نہایت تیزی سے تیر اندازی کی جائے، دشمن تیروں کی اس خوف ناک بوچھاڑ کا مقابلہ نہ کر سکا اور نتیجتاً اس کی صفیں منتشر ہو گئیں، اسے سخت جانی اور مالی نقصان برداشت کر کے پسپا ہونا پڑا۔(63)

عسکری اور دفاعی نقطۂ نظر سے درج ذیل امور بھی جنگ میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

(۱)زمین کا استعمال (۲)حربی چالیں (۳)جاسوسی (۴)منصوبے کی سادگی (۵)تعاقب۔

غزوۂ بدر میں یہ تمام امور رسول اکرم ﷺ کے پیش نظر تھے۔(64)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غزوۂ بدر جن حالات میں وقوع پزیر ہوا، اور اسلام اور کفر کے مابین یہ تاریخ ساز معرکہ اور فیصلہ کن جنگ جن حالات میں لڑی گئی، وہ حالات کسی بھی طرح مسلمانوں کے لیے ساز گار نہ تھے۔ ریاست مدینہ کو اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں پر دشمن کا سامنا تھا۔ معاشی اور معاشرتی حالات بھی نامساعد تھے، ان تمام کے باوجود ثمر آور نتائج کے حصول کے لیے مختصر الفاظ میں آپ انے درج ذیل مختلف طریقے اختیار کیے:

☆ غیر معروف راستوں سے ہوتے ہوئے میدان بدر پہنچے۔
☆ ایک موثر کمان کے لیے باقاعدہ صف بندی کی۔
☆ جارحانہ اہلیت غالب ہونے کے باوجود مدافعانہ طریقِ جنگ اختیار کیا۔
☆ دفاعی لائن کے دونوں اطراف میں تیر انداز مقرر فرمائے۔
☆ جب کفار مسلمانوں کی دفاعی لائن کی جانب بڑھے تو انہیں دلدل والا علاقہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی۔
☆ معلومات کی فراہمی کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ قریش مسلمانوں پر اچانک حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔
☆ محدود وسائل ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے کامیابی حاصل کی۔ غزوۂ بدر یقیناً اسلام کے لیے پہلی معرکۃ الآراء اور فیصلہ کن جنگ تھی۔(65)

63- سیّد واجد رضوی، مصدر سابق، صفحہ، 141؛ نیز دیکھیے: علی معطی، التاریخ السیاسی والعسکری لدولة المدینة فی عہد الرسول ﷺ) بیروت: مؤسسة المعارف)، 274–275۔

64- واجد رضوی مرجع سابق، ۱۳۸

65- احمد راتب عرموش، مرجع سابق، 51؛ نیز دیکھیے: محمد صدیق قریشی، پروفیسر، رسول اکرم ﷺ کا نظامِ جاسوسی، 81–82۔

غزوۂ بدر رسول اکرم ﷺ کی دفاعی اور عسکری حکمتِ عملی کا شاہکار ہے۔ یہ آپ ﷺ کی حربی فراست اور کامیاب جنگی قیادت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

عسکری اور دفاعی امور کے ماہر میجر جنرل (ر) محمد اکبر خان (سابق کرنل کمانڈنٹ، رائل پاکستان آرمی سروس کور) غزوۂ بدر میں رسول اکرم ﷺ کی عسکری اور دفاعی حکمتِ عملی کے تحت اٹھائے گئے مختلف جنگی اقدامات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر انہیں دفاعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

اوّل یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کے قافلے سے کوئی تعرض کرنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ جبکہ آپؐ کو قافلے کی روانگی کا علم تھا، اگر آپؐ تیز رفتاری سے بڑھ کر قافلے کو پکڑ لیتے تو زر و مال کثرت سے ہاتھ آتا۔ پھر جب قافلہ نکل گیا تو آپؐ نے بدر میں کیوں قیام کیا؟ فوراً مدینے کیوں نہ واپس آ گئے؟

دوم۔ آپؐ بدر کے قریب اتنے دن کیوں مقیم رہے۔ فوراً ہی اس پڑاؤ پر قبضہ کیوں نہ کیا، جہاں آخر کار عجلت میں دشمن سے کچھ ہی پہلے جانا پڑا؟

سوم یہ کہ دشمن کی شکست و ہزیمت کے بعد آپؐ نے اس کا تعاقب کیوں نہ فرمایا؟

چہارم، فتح کے بعد آپؐ بدر میں کئی دن کیوں مقیم رہے، جس سے اہلِ مدینہ کو تشویش رہی؟

پنجم، بدر کی چھوٹی سی لڑائی دفاعی نقطۂ نظر سے کیا اہمیت رکھتی ہے اور اس سے کن اصولوں کا استخراج کیا جا سکتا ہے؟

میجر جنرل (ر) محمد اکبر خان ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ سوال کہ قافلے کے نکل جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فوراً مدینۂ منورہ مراجعت کیوں نہ فرمائی اور ہفتہ بھر بدر کے قرب و جوار میں رہ کر دُور افتادہ علاقے میں خطرات کا مقابلہ کیوں کیا؟ اس کا جواب دفاعی سیاست کی زبان میں یہ ہے کہ قابل سپہ سالار اپنی فوجی مہم کو ایسا رخ دیتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کا دفاعی مقصد حاصل ہو جائے۔ اس سے دشمن شش و پنج میں پڑ جاتا ہے اور اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے حریف و مقابل کا منشا کیا ہے اور وہ کس منصوبے پر چل رہا ہے؟ دشمن کو اس طرح شش و پنج میں ڈال کر قابل سالار اس پر ایسی جگہ حملہ کرتا ہے، جہاں اسے کامیابی یقینی معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ رخ ایسا ہوتا ہے کہ جہاں سے وہ کم سے کم نقصان پر اپنا دفاعی مقصد پورا کر سکتا ہے۔"[66]

چونکہ لشکرِ قریش کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ اس لیے انہیں تذبذب میں ڈال کر میدانِ جنگ میں تباہ کرنا ضروری تھا۔ دشمن پر کارگر حملہ اس وقت کیا جا سکتا ہے، جب وہ عالم بے خبری میں ہو یا ہمارے دفاعی منصوبے سے ناواقفیت کی بناء پر اپنے آپ کو شکار بنا دے۔ ایسی صورت میں اس سے جوں ہی چُوک ہو، فوراً بھرپور وار کیا

66- محمد اکبر خان، مرجع سابق، 157، 159۔

جائے۔ دفاعی منصوبے میں یہ موقع دراصل ایسی چال ہے جو دشمن کو:☆اس بات پر مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے محاذ کی سمت تبدیل کر دے اور اس سے اس کے لشکر کا نظم خراب ہو جائے۔

☆دشمن کی فوج کے حصے ایک دوسرے سے اس طرح کٹ جائیں کہ وہ ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں۔

☆اس کے رسد وخوراک کے انتظام میں خلل واقع ہو جائے۔

☆وہ شکست کی صورت میں اپنے مرکز کی طرف پسپائی کا راستہ منقطع پائے۔

دشمن کے دل میں اس قسم کا خوف یا جملہ قسم کے خطرات اور اندیشے بیک وقت پیدا ہو سکتے ہیں اور جب یہ پیدا ہو جاتے ہیں تو ہراس اور اضطراب کا باعث ہوتے ہیں۔ ایک اندیشے سے دوسرا اندیشہ اور ایک خطرے سے دوسرا خطرہ پیدا ہوتا رہتا ہے۔ بدر کے معرکے سے پہلے بالکل یہی ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے حملے کے منصوبے نے اہلِ قافلہ اور لشکرِ قریش دونوں کو اس خوف میں مبتلا رکھا کہ معلوم نہیں مسلمان کیا کرنا چاہتے ہیں؟ شک وریب اور بے یقینی کی وجہ سے ان کا دفاعی منصوبہ غلط رہا۔ ان کی بار برداری پر مسلمانوں کے اچانک حملے نے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے۔ وہ جنگ کرنے میں متذبذب ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی دفاعی چالوں کے مطابق اپنے مورچوں کو تبدیل کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے سالار ابو جہل نے انہیں ایسی جگہ لا ڈالا جہاں نہ پانی تھا اور نہ جانوروں کے لیے چارہ۔ سورج منہ کی طرف تھا، ہَوا ناموافق تھی، زمین ریتیلی اور دلدلی تھی، جس سے سوار فوج بالکل معطل ہو کے رہ گئی۔ جب انہوں نے پا پیادہ لڑنا شروع کیا تو مسلم تیر اندازوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان پر تیروں کی بارش کر دی، چونکہ ریتیلی اور دلدلی زمین کی وجہ سے لشکرِ قریش کو چلنے میں بڑی دشواری پیش آ رہی تھی، اس لیے وہ کثرت سے تیروں کا نشانہ بن کر ہلاک ہوئے، پھر جب لشکرِ اسلام کے قریب دست بدست لڑائی کے لیے پہنچے تو تھک کر اتنے پست ہو چکے تھے اور پیاس کی شدت نے انہیں اتنا نڈھال کر دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور انہوں نے بہت زیادہ جانی نقصان اٹھایا۔([67])

جس طرح سِکّے کے دورُخ ہوتے ہیں، اسی طرح جنگ کے ہر اصول کے بھی دورُخ ہوتے ہیں۔ ایک ہاتھ تلوار کا وار کرتا ہے، تو دوسرا مدافعت کے لیے ڈھال بڑھاتا ہے، کبھی تلوار سے دشمن کو شہ دی جاتی ہے، کبھی ڈھال سے، لیکن دونوں کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کو اپنے جسم کا وہ حصہ دکھانے پر مجبور کیا جائے، جہاں اس پر کارگر وار کیا جا سکتا ہے۔ گویا دشمن کو تو اس پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ اپنی فوج کو ٹکڑیوں میں تقسیم کر دے اور اپنی فوج کو ایک جگہ مجتمع رکھا جائے، تاکہ وہ حملے کے مجوزہ موقع پر مضبوط ترین رہے، آنحضرت ﷺ نے اس پر نہایت عمدگی وخوش اسلوبی سے عمل کیا، کفارِ مکہ کی کچھ فوج تو قافلے کی حفاظت کی وجہ سے جنگِ بدر میں حصہ نہ لے سکی، پھر سیاسی چال سے کچھ قبائل اس سے الگ ہو گئے، یعنی جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ قافلہ خطرے کی زد سے نکل گیا تو وہ الگ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور انہوں نے ابو جہل کی باتوں پر مطلق

[67]- مرجع سابق،۱۵۹۔

توجہ نہ کی، پھر جب قریش کا بڑا حصہ میدان جنگ میں پہنچا تو اس کا دوسرا حصہ پہلے حصے کی مدد نہ ملنے کی وجہ سے بے کار ہو گیا۔ یعنی سوار پیدل فوج کے کام نہ آئے۔ پھر آنحضرت ﷺ کی پیش قدمی نے لشکرِ قریش کے دل میں خوف وہراس پیدا کر دیا۔ فوج کے کئی سرداروں کو ابوجہل کی سالاری پر اعتماد نہ تھا۔ وہ کھلم کھلا لڑنے کی مخالفت کر رہے تھے۔ گویا اخلاقی طور پر وہ میدانِ کارزار گرم ہونے سے پہلے ہی شکست کھا چکے تھے اور یہ امر مسلمہ ہے اور اس پر ماضی و حال کے تمام ماہرینِ دفاع کا اتفاق ہے کہ اخلاقی شکست بڑی سے بڑی فوج کو بے کار بنا دیتی ہے۔

ان حالات کو اچھی طرح سمجھ کر اور حربی مہارت سے کام لے کر جب آنحضرت ﷺ نے دشمن پر ایک پہلو سے حملہ کیا، تو وہ ایسا کامیاب ثابت ہوا کہ دشمن کی کمر ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے اپنے پڑاؤ کے مقام اور فضائی و موسمی حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔([68])

فتح کے بعد رسول اکرم ﷺ نے دو قاصد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو خوشخبری سنانے کے لیے روانہ کیے اور خود آپ انے حسب معمول مجاہدین کے ساتھ تین روز تک میدانِ کارزار میں قیام فرمایا۔ ۲۰ رمضان المبارک ۲ھ، ۱۶ مارچ ۶۲۴ء کو مجاہدین آپ ﷺ کی قیادت میں فتح و نصرت کے پھریرے اڑاتے اور راستے میں قبائل کے دلوں پر اپنی دھاک بٹھاتے، مدینے روانہ ہوئے، جہاں مسلمان نوید فتح سے مسرور خوشدل آپ ا اور مجاہدین کے لیے چشم براہ تھے۔([69])

جنگی قیدیوں سے حُسنِ سلوک کی ایک روشن مثال

آپ ا کی ہدایات کے مطابق مسلمانوں نے جنگی قیدیوں کے ساتھ ایسا حسنِ سلوک کیا کہ تاریخ شاید ہی اس کی کوئی نظیر پیش کر سکے۔ جنگی قیدیوں کی جاں بخشی و رہائی اور ان کے ساتھ بے مثال حُسنِ سلوک کے بڑے مفید اور دُور رس نتائج نکلے۔ دنیا میں جنگی قیدیوں کو قتل نہ کرنے بلکہ انہیں رہا کرنے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی مثال قائم ہو گئی۔ اسلام کا یہ جنگی اصول تقریباً تیرہ صدیوں بعد اقوام متحدہ کے دستور کی ایک اہم شق بنا۔ آپ ﷺ کا یہ فیصلہ اقوام عالم انسانی پر بہت بڑا احسان اور آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی ایک واضح دلیل ہے۔

آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے تحریکِ اسلام کو جنگی نقطۂ نظر سے یہ فائدہ پہنچا کہ دشمن کے وہ سپاہی جو نامساعد حالات میں بالخصوص جان پر کھیل جانے سے گھبرا جایا کرتے ہیں، ان کے لیے اس اصولِ جنگ نے مسلمانوں کا اسیر

68- محمد اکبر خان، مرجع سابق،159۔

69- احمد راتب عرموش، مرجع سابق،50؛ نصیر احمد ناصر، پیغمبرِ اعظم ﷺ و آخر، 473۔

بن کر جان بچانے کا نادر موقع فراہم کیا۔ جنگی نفسیات کے ماہروں نے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اسلام کے اس اصول کی اہمیت و افادیت کو صدیوں بعد تسلیم کیا ہے۔([70])

غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم ﷺ کی عسکری اور دفاعی حکمتِ عملی: مختصر جائزہ

کرنل مختار احمد گیلانی غزوۂ بدر میں رسول اکرم ﷺ کی عسکری اور دفاعی حکمت عملی پر مختصر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> جنگ بدر مسلمانوں کی سب سے پہلی فیصلہ کن جنگ تھی۔ تعداد کے لحاظ سے دنیا کی فیصلہ کن جنگوں میں غالباً یہ سب سے چھوٹی جنگ ہے، مگر اس کے نتائج دنیا کی عظیم ترین فیصلہ کن جنگوں سے زیادہ موثر اور دیرپا ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے تمام حالات کا جائزہ لے کر عسکری اور دفاعی منصوبے کے تحت جنگ کے لیے بدر کا علاقہ منتخب کیا تھا۔ اسلامی لشکر کے ہر اوّل دستے (Vanguard) نے فوراً چشموں اور کنوئوں پر قبضہ کر لیا۔ دفاعی پوزیشن کے لیے پتھریلی زمین اور بلند مقام چن لیا تھا۔ اس طرح دشمن کی پیش قدمی کے لیے ریتیلے ٹیلے اور نرم زمین والا علاقہ چھوڑ دیا گیا تاکہ دشمن کو نقل و حرکت کرنے میں تکلیف محسوس ہو اور چڑھائی پر پیش قدمی کرتے ہوئے وہ صاف نظر آئیں۔ حضور اکرم ﷺ نے پہاڑیوں کو اپنے بازوئوں اور پُشت پر رکھا۔ پہل کاری دشمن پر چھوڑ دی گئی۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ نے مشہور جنگی اصول "دشمن کو اپنی پسندیدہ زمین (Ground of Own Choice) پر جنگ کے لیے مجبور کرنا" نہایت عمدگی سے استعمال کیا۔([71])

حضور اکرم ﷺ کا دفاعی منصوبہ آخر تک جارحانہ کارروائی (Offensive Defence) سے متاثر تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے لشکر کے کئی حصے کیے تھے، تیر انداز دستے بازوؤں اور عقب میں اونچی جگہ بٹھا دیے۔ سامنے کی جانب تلوار اور نیزہ بردار متعین کیے۔ گہرائی (Depth) میں ایک حفاظتی دستہ مقرر کیا۔ بازوؤں والے دستوں کو ضرورت پڑنے پر جوابی حملے (Counter Attack) کا ارادہ بھی Be Prepared Mission سونپ دیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے سختی سے تاکید کی کہ جب تک دشمن زد میں نہ آجائے مسلمان ہرگز تیر نہ برسائیں، چونکہ تیروں کی کمی تھی، اس لیے تیر اندازوں کے قریب پتّھر کے ڈھیر لگا دیے گئے، تاکہ بڑھتے ہوئے دشمن پر پتّھر بھی برسائے جاسکیں۔ یعنی منصوبے کے اس حصے میں دفاعی جنگی اصول "دشمن کو زد" (Killing Ground) میں لا کر صحیح نشانے پر اسلحے کا استعمال کر کے دشمن کے حملے کی ترتیب کو درہم برہم کرنے" کا نہایت مناسب استعمال تھا اور جیسے ہی دشمن مسلمانوں کی اس مجموعی کارروائی سے گھبرا گئے تو ان کے بڑھنے کی رفتار کمزور پڑ گئی۔ ان کا بھاری جانی نقصان بھی ہوا، پھر تجویز کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے حضرت حمزہؓ، حضرت

70۔ نصیر احمد ناصر، مرجع سابق،474۔

71۔ ممتاز احمد گیلانی، کرنل، "مجاہد کا کردار اور چند غزوات کا جائزہ،" (سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر، لاہور، مئی 2006ء)،104۔

علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کے دستوں کو فوری جوابی حملے (Timely Counter Attack) کا حکم دے کر جارحانہ دفاع کا مشہور جنگی اصول بروقت استعمال کر کے فتح حاصل کی۔"(72)

عسکری اور دفاعی امور کے ماہر میجر جنرل (ر) محمد اکبر خان (حدیثِ دفاع، نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں) لکھتے ہیں:

> دفاعی نقطۂ نظر سے ہم غزوۂ بدر سے یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں:☆ دفاعی منصوبہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس پر آسانی سے عمل کیا جاسکے، یعنی منصوبہ دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ لگا کر ایسا بنایا جائے کہ حسب حالات اس میں ردوبدل کیا جاسکے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے، جب منصوبے کو سکّے کی طرح دورخا رکھا جائے، جیسے آنحضرت ﷺ نے رکھا کہ دشمن کو یہ پتہ نہ چل سکا کہ آپؐ قافلے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں یا لشکر پر؟ اس سے دشمن کے دل میں شک اور تذبذب پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے منصوبے پر عزم واستقلال کی قوت کے ساتھ عمل نہیں کر سکتا۔ دفاعی اعتبار سے یہ موقع سب سے اہم ہوتا ہے اور اس میں دشمن پر کارگر وار کرنے کو کوئی نہ کوئی پہلو مل جاتا ہے، مگر ایسی جگہ جہاں زمین کا نشیب و فراز اور قدرتی رکاوٹیں دونوں لشکروں کے سالاروں کے سامنے ہوں، ماہرینِ فن حرب آسانی سے کوئی ایسا منصوبہ نہیں بنا سکتے، جس سے دشمن ایسی چال کی تقلید پر آمادہ ہو جائے کہ یقینی طور پر موت کے منہ میں دھکیل دیا جائے، اس کا اہتمام دفاعی منصوبے ہی میں آسانی سے کیا جاسکتا ہے، تاہم یہ ناممکن بھی نہیں ہے اور غزوۂ بدر میں ایسا ہی ہوا۔ ٹینسبرگ کے محاذ پر فیلڈ مارشل ہنڈنبرگ نے روسیوں کو ایسے ہی پھندے میں پھنسا کر مارا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں ہٹلر نے بھی اتحادی فوجوں کو ایسا ہی ناچ نچایا تھا کہ انہیں ڈنکرک سے نکل کر بھاگنا پڑا۔ حربی نقطۂ نظر سے میدانِ جنگ میں بہترین اصول یہ سمجھا جاتا ہے کہ دشمن جہاں کوئی غلط چال چلے، اسے فوراً اس کی سزا دے دی جائے، تاکہ وہ ہمت ہار دے۔ منصوبۂ حرب پھل دار درخت کی طرح ہے، جس میں کئی شاخیں ہوتی ہیں تو پھل آتا ہے، بغیر شاخوں کے پھل نہیں آتا۔(73)

غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ نے جس دفاعی سیاست سے کام لیا، اس کے سکّے کی طرح دورخ تھے اور اس سے آپؐ نے ہمیں عسکری اور دفاعی نقطۂ نظر سے یہ سبق دیا کہ دفاعی منصوبے کے دورخ رکھنا ضروری ہے، تاکہ حسب موقع ان میں سے جس سے چاہیں اپنا مقصد حاصل کر سکیں، اس دُور اندیشی سے میدانِ جنگ میں جہاں حالات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں اور رفتارِ جنگ کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے، دفاعی مقصد کا حصول بالکل یقینی ہوتا ہے۔(74)

دفاعی سیاست کا دوسرا اصول جو آنحضرت ﷺ نے عطا کیا، وہ ناگہانی حملے کا ہے، جب آپؐ مدینے سے روانہ ہوئے تو دشمن کے مخبروں نے سمجھا کہ قافلے کو لُوٹنے جارہے ہیں۔ ابتدائی سفر کا رخ بھی اسی کی طرف رہا، مگر اس کے بعد ایسا پیچیدہ اور دشوار گزار راستہ اختیار فرمایا کہ دشمن اس نقل و حرکت کا مقصد نہ سمجھ سکا۔ آنحضرت ﷺ کی بصیرت نے دیکھ لیا تھا کہ

72- مرجع سابق، ۱۰۴۔

73- حدیث دفاع، ۱۶۰۔

74- محمد اکبر خان، مرجع سابق، 161۔

دشمن اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے فوج لے کر آئے گا۔ اس لیے آپؐ اس کی طاقت کو توڑنے اور اسے نیچا دکھانے کے لیے فوجی چال چلے۔ دشمن کو اس کا مطلق علم نہ ہو سکا کہ آپؐ کا اصل مقصد کیا ہے؟ دشمن کو ایسے شش و پنج اور لاعلمی کی حالت میں ڈالنے کو فوجی اصطلاح میں حربی پیش قدمی (Initiative) کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ دشمن نادانستگی مگر مجبوری کی حالت میں ایسی چالیں چلتا ہے، جن سے آخر کار وہ موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے، مگر حربی پیش قدمی (Initiative) کا یہ موقع اسی سپہ سالار کو ملتا ہے، جو دفاعی منصوبہ نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے بناتا ہے اور اسے کامیاب بنانے کے لیے دُور اندیشی اور عزم و حوصلہ مندی سے کام لیتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہیے کہ جنگ شروع کرتے وقت حربی پیش قدمی (Initiative) صرف وہی سالار کر سکتا ہے، جس نے جنگ کے لیے ہر قسم کی تیاری مکمل کر لی ہو اور فتح اسی کے قدم چومتی ہے جو جنگ میں استقلال و حوصلہ مندی سے اپنے منصوبے پر عمل کرتا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ حربی پیش قدمی سے حاصل شدہ تفوق کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔

حربی پیش قدمی یا بالادستی (Initiative) ایسا حربہ ہے جس سے سپہ سالار دشمن پر حسب منشاء حملہ کر سکتا اور اسے مغالطے میں مبتلا رکھ سکتا ہے، حریف و مقابل اسی شش و پنج میں رہتا ہے کہ خدا جانے حملہ کب اور کس سمت سے ہو گا اور کس طاقت کے ساتھ ہو گا؟ لہٰذا وہ مدافعت کی پوری تیاری نہیں کر سکتا، وہ جس حالت میں بھی ہوتا ہے، اسے حملے کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور جب تک کمک پہنچتی ہے عموماً جنگ کا فیصلہ ہو جاتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ حربی پیش قدمی کا اختیار کرنے والا لازمی طور پر کامیاب ہی ہوتا ہے، اگر وہ مستعدی کے ساتھ اپنے منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہناتا تو حریف اس پر کارگر حملہ کر سکتا ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں اسے اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ دشمن سپہ سالار کی فوجی چال کیا ہے۔([75])

آنحضرت ﷺ کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آپؐ دشمن کے لشکر کو ایسے میدان میں لے آئے جو فن سپہ گری کے لحاظ سے اس کی فوجی تربیت کے موافق نہ تھا۔ اس کے سوار بالکل بیکار ہو گئے، جس سے اس کی طاقت کم ہو گئی، پانی نہ ملا تو آنحضرت ﷺ کی فوجی چال کے مطابق دشمن نے مجبور ہو کر خود بخود لشکرِ اسلام پر حملہ کیا، کمک کے لیے فوج کا کوئی حصہ الگ نہ رکھا۔ لہٰذا جب آنحضرت ﷺ کے حکم سے اسلامی دستے نے حملہ کیا تو لشکرِ قریش کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ مُردوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اگر دشمن کو شکست ہو جائے تو ایک اہم دفاعی اصول یہ ہے کہ تکمیلِ شکست کے لیے دشمن کا تعاقب کیا جائے، تاکہ اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو جائے، مگر آنحضرت ﷺ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ آپؐ نے بدر میں تین روز تک قیام فرمایا اور ایک مختصر سا دستہ بھی دشمن کے پیچھے روانہ کیا، مگر صرف اس لیے کہ اگر وہ پلٹے یا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے تو وہ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دے، گویا دشمن کا تعاقب کر کے اس کی طاقت کو بالکل ختم

[75]- مرجع سابق، ۱۶۲۔

کرنے اور اس پر حملہ کرنے کے لیے آپؐ نے فوج روانہ نہیں کی، اس کا جواب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ آپؐ کے پاس سوار صرف چند تھے، اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ بدر تک پہنچنے کے لیے کئی کئی آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ آیا تھا، اگر آپؐ پیدل فوج کو روانہ فرما دیتے تو بہت ممکن تھا کہ ہزیمت خوردہ لشکر قریش پلٹ کر جوابی حملہ کرتا اور انہیں تباہ کر دیتا، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے نہایت دانش مندی سے کام لیا کہ دشمن کا تعاقب کر کے اس پر حملہ نہیں کیا اور اپنی طاقت کو وہیں مجتمع رکھا۔ عسکری اور دفاعی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔([76])

جنگ کے بعد بدر میں قیام کی مصلحت واضح ہو جانے کے بعد اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشرک قیدیوں کے ساتھ لطف و مہربانی کا سلوک کیوں کیا؟ تو اس کا جواب قدرتی طور پر یہ ہے کہ آپؐ حسنِ اخلاق کا نمونہ تھے۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ رحمدلی اور حُسن سلوک کی بنیاد آپؐ ہی نے رکھی۔ یہ بھی آنحضرت ﷺ کی ایک امتیازی خوبی تھی۔ دنیا ساری ترقیوں کے بعد بھی آج اس معاملے میں تنگ نظری، تعصب اور جہالت کی اسی تاریکی میں ہے۔ جس میں کبھی صدیوں پہلے تھی۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ اسے ختم کرنے کے لیے آئے تھے، نہ کہ اسے قائم دائم رکھنے کے لیے۔([77])
عسکری امور کے ماہر محمود شیت خطاب "الرسول القائد" میں "غزوۂ بدر" کے موقع پر رسولِ اکرم ﷺ کی جنگی فراست اور دفاعی حکمتِ عملی کے متعلق لکھتے ہیں:

> بدر کے سپاہ سالار خود رسول اکرم ﷺ تھے، مسلمان آپؐ کی زیرِ قیادت سر فروشی اور جاں نثاری میں مصروف تھے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا کمال اور کرشمہ یہ تھا کہ آپؐ فیصلہ کن مرحلے پر فیصلہ کن اقدام کا حکم صادر فرماتے تھے۔ جنگ کے موقع پر ایک کامیاب اور برتر سپہ سالار کی سب سے بڑی خوبی اور سب سے بڑا وصف یہی ہوتا ہے۔"([78])

موصوف مزید لکھتے ہیں:

> "اس موقع پر صحابہ کرامؓ کا نظم و ضبط اور اپنے سپہ سالار اعلیٰ کی بے مثال اور بے نظیر اطاعت ایک مثال بن گئی، اسلامی لشکر نے ہر اعتبار سے اور ہر معنیٰ میں مہارت اور کمال حاصل کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی لشکر کی بنیاد بہتر نظم و ضبط پر ہو تو وہی صحیح معنیٰ میں اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہوتا ہے، ایک اچھے اور بہتر لشکر کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے۔ اس اصول کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ اپنے وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کا لشکر میدانِ بدر میں ہر اعتبار سے بے نظیر اور منفرد تھا۔ بلاشبہ صحابہ کرامؓ اپنے قائد اور سپہ سالار، رسول اکرم ا کی پوری صداقت، دیانت اور جذبۂ اطاعت کے ساتھ پابندی کرتے تھے اور ایسا کرنا سزاوار بھی تھا، کیوں کہ ان کے میر کارواں امثالی سپہ سالاروں کی صفات سے متصف اور آراستہ تھے. رسولِ اکرم ﷺ نے دل ہلا دینے اور حواس کھو دینے والے مواقع پر بھی اپنے اعصاب پر قابو

76- محمد اکبر خان، مرجع سابق، 163۔

77- مرجع سابق، ۱۶۴

78- محمود شیت خطاب، مرجع سابق، 142؛ احمد راتب عرموش، مرجع سابق، 50۔

رکھا، آپؐ صحابہ کرامؓ کو میدانِ جہاد میں استقلال، ثابت قدمی اور شجاعت کی ترغیب دیتے رہے۔ پھر جب معرکہ آرائی نے شدّت اختیار کی تو ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ الگ تھلگ بیٹھے رہے، بلکہ خود بھی میدانِ جنگ میں تشریف فرما ہوئے اور جنگ میں بھرپور طور پر شریک رہے۔"[79]

محمود شیت خطاب مزید لکھتے ہیں:

غزوۂ بدر میں نہایت وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کے نظم وضبط، جرأت وشجاعت، استقامت اور پامردی، عقیدے کی پختگی اور ایمانی حرارت کے مناظر دیکھنے میں آئے، نتیجے کے طور پر مسلمانوں کی فتح وکامرانی عمل میں آئی۔ آئندہ مسلمانوں کی جو جنگیں قریشِ مکہ اور یہود ونصاریٰ سے پیش آئیں، ان میں بھی یہی خوبیاں بدرجۂ اتم نظر آتی ہیں، ان پر اس کے گہرے اور دُوررس اثرات مرتّب ہوئے۔ مسلمان جب معرکۂ بدر میں فتح ونصرت سے ہمکنار ہو کر مدینۂ منورہ واپس آئے تو حالات یکسر بدل چکے تھے، ان کی فتح اور غلبے کا نقش اپنی جگہ اہلِ مدینہ اور قرب وجوار کے لوگوں پر اچھی طرح قائم ہو چکا تھا۔ مکے سے شام تک کے تجارتی راستے پر جو قبائل آباد تھے اور بُود وباش رکھتے تھے، ان میں سے اکثر نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدۂ صلح وامن کر لیا تھا۔ اب مدینے کی تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ کوئی فرد بھی مسلمانوں کی اجازت اور مرضی کے بغیر اس راستے پر سفر نہیں کر سکتا تھا۔ کفار ومشرکین میں سے ایک بڑی تعداد نے اسلام کی روزافزوں قوت وطاقت کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا اور یوں اشاعتِ اسلام کی راہیں ہموار ہوئیں۔"[80]

غزوۂ بدر کے نتائج اور ہمہ گیر اثرات

اس فتح سے مسلمان قریش مکہ کے مقابلے میں اب ایک برابر کے فریق بن چکے تھے اور یہ وہ حقیقت تھی جس کا قریش تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ غزوۂ بدر میں ذلت آمیز شکست سے قریش کو پہلی مرتبہ مسلمانوں کی عسکری قوت اور جداگانہ معاشرتی حیثیت کا احساس ہوا۔ نقطۂ نظر کی اس تبدیلی کا مسلمانوں کے حوالے سے ان کے حوصلے اور کردار پر اثرانداز ہونا فطری امر تھا اور یہ دونوں باتیں مسلمانوں کے حق میں دُوررس نتائج کی حامل تھیں۔ علاوہ بریں اس شکست سے قریش کی شہرت اور ان کے سیاسی اثر ورسوخ کو خاصا نقصان پہنچا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی قدیم تجارتی شاہراہ غیر محفوظ ہو گئی اور اس وجہ سے ان کی بیرونی تجارت اور نتیجتاً معیشت خاصی متاثر ہوئی۔

بدر کی فتح سے مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے بالخصوص بہت فائدہ پہنچا۔ عرب کے قبائل میں ان کی عسکری قوت کی دھاک بیٹھ گئی۔ یہود، جو یثرب میں اپنی معاشی سیادت کی وجہ سے ایک زبردست سیاسی وعسکری قوت بن چکے تھے، مسلمانوں کی اس فتح سے مرعوب بھی ہوئے اور چونک بھی اٹھے۔ وہ اسلام کی نوزائیدہ مملکت اور تحریک انقلاب سے زبردست خطرہ محسوس کرنے لگے اور خوف بداماں عزم کے ساتھ مسلمانوں کے استیصال کے لیے سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مشغول ہو گئے۔

79- مرجع سابق،143۔

80- مرجع سابق،164۔

بہر حال اس فتح سے مسلمانوں کے سیاسی اور ثقافتی اثر و رسوخ میں معتد بہ اضافہ ہوا اور دین اسلام کی قریب قریب سارے عرب میں اشاعت کی راہیں بہت حد تک ہموار ہو گئیں۔ اس فتح کا ایک فوری اور اہم نتیجہ یہ نکلا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی، جو ثروت و صولت، اثر و رسوخ کا مالک، مسلمانوں کا زبردست حریف اور ان کے لیے ایک مستقل خطرہ تھا، سیاسی مصلحت کی بناء پر اپنے گروہ سمیت تحریک اسلام کے خلاف غیر موثر قوت بن گیا۔ سیاسی اور جنگی محاذ پر یہ آپ ا کی زبردست کامیابی تھی۔([81]) مسلم مورخین، ماہرین حرب اور سیرت نگاروں کی طرح غیر مسلم مفکرین، مورخین اور مصنفین بھی "غزوۂ بدر" کو رسولِ اکرم ا کی دفاعی اور جنگی حکمت عملی کا شاہ کار قرار دیتے ہوئے اس کے نتائج اور ہمہ گیر اثرات کے معترف نظر آتے ہیں۔

دورِ حاضر کی مشہور مغربی مصنفہ کیرن آرم اسٹر انگ اپنی کتاب "Muhammad: A Biography Of the Prophet" میں غزوۂ بدر کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہے:

> بدر کی مہم اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اہم ترین اور دُور رس نتائج کی حامل تھی۔([82])

فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) غزوہ بدر کے نتائج و اثرات کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> However unimportant in itself as a military engagement, this, Ghazwat-i-Badr, laid the foundation of Muhammad's temporal power. Islam had owned its first military victory. The spirit of discipline and contempt of death, manifested at this first encounter of Islam, prove characteristics of it in all its later and greater conquests. Hitherto Islam had been a religion within a state in Madina. After Badr, it passed into something more than a state-religion and itself became the state. ([83])

> (فوجی نقطۂ نظر سے یہ جنگ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، یہ ایک حقیقت ہے کہ غزوۂ بدر نے محمد ﷺ کے اقتدار کی بنیاد رکھ دی۔ اسلام میں یہ پہلی فتح تھی۔ اسلامی تاریخ کے اس پہلے معرکہ میں نظم و ضبط اور جان بازی کے بے مثال جوہر کا مظاہرہ کیا گیا جس نے اس کو امتیازی شکل میں بعد میں پیش آنے والی فتوحات میں بھی باقی رکھا۔ اس غزوہ سے قبل اسلام مدینہ کی اسٹیٹ میں ایک مذہب کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن غزوۂ بدر کے بعد اس مذہب کی حیثیت "سرکاری مذہب" State Religion کی ہو گئی)

ایک اور مغربی مصنف جوزف ہیل (Joseph Hell) لکھتا ہے:

> The victory of Badr resulted in the consolidation of the power of the Prophet in Yathrib. The most important result of the battle. However, was the deepening of the faith of Muhammad himself and his closest Companions in his prophetic vocation. After years of hardship and a measure of persecution, there came its astounding success. It was a vindication of the faith which had sustained them through

---

81۔ نصیر احمد ناصر، مرجع سابق، 475-476۔

82۔ کیرن آرمسٹرانگ، حضرت محمد ﷺ، مترجم: محمد عاصم بٹ (لاہور: تخلیقات، 2004ء)، 225۔

83۔ Hitti, Philip K., The Near East in History (New York: [Publisher], 188).

disappointment. Indeed, in the midst of the encircling darkness of despair the Muslims saw a ray of hope in this success. (84)

(بدر کی فتح سے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی طاقت کو یثرب میں استحکام ملا۔ اس کا سب سے اہم نتیجہ خود محمدؐ اور آپ ﷺ کے قریب ترین ساتھیوں کے اندر پیغمبرانہ کام میں یقین کی گہرائی اور پختگی کا پیدا ہونا تھا۔ برسوں کی تکالیف اور مجاہدوں کے بعد ایک متحیر کر دینے والی فتح نصیب ہوئی۔ یہ بول بالا کر دینے والی فتح تھی جو ایک قسم کی ناامیدی کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ در حقیقت گھٹاٹوپ اندھیرے میں یہ مسلمانوں کو روشنی کی ایک کرن دکھائی دی تھی)۔

خلاصہ بحث

غزوۂ بدر میں رسول اکرم ﷺ کی عسکری و دفاعی حکمتِ عملی کا دورِ حاضر کی جنگی و دفاعی حکمت عملی سے تقابل ممکن ہی نہیں تاہم اگر نبی مہربان رحمۃ للعالمین ﷺ کی احترامِ انسانیت پر مبنی اور اسلام کے پیغامِ امن و سلامتی کے تناظر میں تاریخ عالم اور دورِ حاضر کی جنگوں سے تقابلی و تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک سپہ سالار کی حیثیت سے میدان جنگ میں وہ تمام اصول و ضوابط پیشِ نظر رکھتے تھے جن کے تحت میدانِ جنگ میں فتح اور کامیابی بھی حاصل ہو اور اس میں انسانی جانوں کا کم سے کم ضیاع ہو۔ دوسری جانب پیغمبرِ امن و سلامتی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بدر کے میدان میں جو عسکری و دفاعی حکمتِ عملی اپنائی وہ اس فلسفے کی بھی نفی ہے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہے آپ ﷺ کے پیشِ نظر دنیائے انسانیت کی فلاح اور اسلام کا عالم گیر پیغام تا قیامِ قیامت پوری انسانیت تک پہنچانا تھا غزوۂ بدر میں نبوی حکمتِ عملی اس حقیقت کی ترجمان ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے دوسری جانب مستشرقین اور اسلام دشمن قوتوں کے اس اعتراض کا جواب بھی کہ جہاد اور دین کا تصورِ جنگ دہشت گردی اور بدامنی سے عبارت ہے، غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی پالیسی اس حقیقت کا اظہار بھی ہے کہ اسلام ہر دور کا دین ہے نیز یہ کہ جنگ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار اور احترامِ انسانیت کو پیش نظر رکھا گیا۔ میدان جنگ میں وہ عسکری و دفاعی حکمتِ عملی اپنائی گئی اور ان اصولوں پر عمل کیا گیا جن سے مقاصد کے حصول میں کامیابی حاصل ہو اور دشمن کو جنگ کے میدان میں زیر کیا جا سکے۔

رسول اکرم ﷺ نے میدانِ بدر میں جو عسکری و دفاعی حکمتِ عملی اختیار کی، اس کی عصری معنویت دورِ جدید میں بھی پورے طور پر مسلّم ہے۔ دورِ جدید کے مسلم اور غیر مسلم عسکری ماہرین رسول اکرم ﷺ کی عسکری و دفاعی حکمتِ عملی کے معترف نظر آتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ محسنِ انسانیت، پیغمبر امن و سلامتی، نبیِ مہربان ﷺ کے عسکری اصولوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دنیا عسکری میدان اور جنگی اخلاقیات کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی پیروی کرے، یہ انسان دوستی اور امن و سلامتی کا وہ سبق ہے جس میں انسانیت کی بقاء، فلاح اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔ یہ اصول و اقدار در حقیقت عسکری قانون اور جنگی اخلاقیات کی اساس اور بنیاد ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا سے دہشت گردی اور بدامنی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

84- Majid Ali Khan, Muhammad the Final Messenger (Lahore, 1996), 164.

Bibliography

1. Al-Qur'ān
2. Abd al-Bārī. *Rasūl-i Karīm ﷺ kī Jangī Scheme*. Lahore: Al-Fayṣal Nāshirān, n.d.
3. Abū Fāris, Muḥammad. *Ghazwat Badr al-Kubrā*. n.p.: n.p., 1402 AH.
4. Abū Khalīl, Shawqī. *Aṭlas al-Sīrah al-Nabawiyyah*. Cairo: Dār al-Salām, 2004.
5. Akbar Ābādī, Saʿīd Aḥmad. *ʿAhd-i Nabawī ﷺ ke Ghazawāt wa Sarāyā aur Un ke Makhādh par Aik Naẓar*. Karachi: Islamic Research Academy, 2005.
6. Armstrong, Karen. *Ḥaḍrat Muḥammad ﷺ*. Translated by Muḥammad ʿĀṣim Buṭṭ. Lahore: Takhlīqāt, 2004.
7. Bāshmīl, Muḥammad Aḥmad. *Ghazwah-i Badr*. Translated by Akhtar Fatḥpūrī. Karachi: Nafīs Academy, 1986.
8. George, Constant Virgil. *Paighambar-i Islām ﷺ*. Karachi: Shama Book Agency, n.d.
9. Gülen, Muḥammad Fatḥullāh. *Ḥuḍūr ﷺ ba-Ḥaythiyyat Sipah Sālār*. Translated by Khālid Nadīm. Lahore: Bayt al-Ḥikmat, 2006.
10. Ḥamīdullāh, Muḥammad. *ʿAhd-i Nabawī ﷺ ke Maidān-i Jang*. Rawalpindi: ʿIlmī Markaz, 1988.
11. Ibn Kathīr, Ismāʿīl ibn ʿUmar. *Al-Bidāyah wa al-Nihāyah*. Beirut: Dār al-Fikr, n.d.
12. ———. *Al-Sīrah al-Nabawiyyah*. Beirut: Dār al-Maʿrifah, 1396 AH/1976.
13. Khaṭṭāb, Maḥmūd Shīt. *Al-Rasūl al-Qāʾid ﷺ*. Translated by Raʾīs Aḥmad Jaʿfarī Nadwī. Karachi: Shaykh Ghulām ʿAlī and Sons, n.d.
14. Khān, Muḥammad Akbar (Maj. Gen., Ret.). *Ḥadīth-i Difāʿ: Nabī Akram ﷺ ke Uswah-i Ḥasanah kī Roshnī Mein*. n.p.: n.p., n.d.
15. Maḥfūẓ, Muḥammad. *Al-Madkhal ilā al-ʿAqīdah wa al-Istrātījiyyah al-ʿAskariyyah*. Cairo: Maṭābiʿ al-Hayʾah al-Miṣriyyah, n.d.
16. Mawsūʿat al-Sīrah al-Nabawiyyah. n.p.: n.p., n.d.
17. *Mawsūʿat Naẓrat al-Naʿīm fī Akhlāq al-Rasūl al-Karīm ﷺ*. Amman: Dār al-Furqān, 1402 AH.
18. Nāṣir, Naṣīr Aḥmad. *Paighambar-i Aʿẓam wa Ākhir ﷺ*. Karachi: Ferozsons, n.d.

19. Al-Bāwazīr, Aḥmad Muḥammad. *Marwiyyāt Ghazwat Badr*. Riyadh: Maktabat Ṭaybah, 1980.
20. Al-Rashīd, Muḥammad. *Al-Qiyādah al-ʿAskariyyah fī ʿAhd al-Rasūl*. Beirut: Dār al-Qalam, 1410 AH.
21. Riḍawī, Sayyid Wājid. *Rasūl Allāh ﷺ Maidān-i Jang Mein*. Lahore: Maktabah Madaniyyah, 1992.
22. Al-Ṣāliḥī al-Shāmī, Muḥammad ibn Yūsuf. *Subul al-Hudā wa al-Rashād fī Sīrat Khayr al-ʿIbād*. Cairo: Lajnat Iḥyāʾ al-Turāth al-Islāmī, 1399 AH/1979.
23. Al-ʿArmūsh, Aḥmad Rātib. *Qiyādat al-Rasūl ﷺ al-Siyāsiyyah wa al-ʿAskariyyah*. n.p.: n.p., n.d.
24. ʿAlī, Muʿṭī. *Al-Tārīkh al-Siyāsī wa al-ʿAskarī li-Dawlat al-Madīnah fī ʿAhd al-Rasūl*. Beirut: Muʾassasat al-Maʿārif, n.d.
25. Qurayshī, Muḥammad Ṣiddīq. *Rasūl-i Akram ﷺ kā Niẓām-i Jāsūsī*. Lahore: Shaykh Ghulām ʿAlī and Sons, 1990.
26. Gilānī, Mumtāz Aḥmad (Colonel). "Mujāhid kā Kirdār aur Chand Ghazawāt kā Jāʾizah." *Sayyārah Digest* (Qurʾān Number). Lahore, May 2006.
27. Al-Zurqānī, Muḥammad ibn ʿAbd al-Bāqī. *Sharḥ al-Mawāhib al-Ladunniyyah*. Cairo: Al-Maṭbaʿah al-Azhariyyah, n.d.
28. Armstrong, Karen. *Muhammad: A Prophet for Our Time*. London: HarperCollins, 2006.
29. Hitti, Philip K. *The Near East in History*. New York: D. Van Nostrand Company.
30. Khan, Majid Ali. *Muhammad the Final Messenger*. Lahore, 1996.
31. Rahman, Afzalur. *Muhammad as a Military Leader*. Lahore: Islamic Publications, 1990.